انٹرنیشنل

ملی ٹائمز

نئی دہلی

اُردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

گیان واپی مسجد اور متھرا کی عیدگاہ کو کرشن جنم اشٹمی کے موقع پر

خطرہ

اس شمارے میں

Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price
AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	£ 1.30
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	US $ 3.00

اکیسویں صدی کو "ہندو صدی" بنانے کا وشو ہندو پریشد کا خواب

ہندوستان سے لندن اور جنوبی افریقہ تک وشو ہندو پریشد کی خطرناک سرگرمیوں کا جال

ہندوستان میں فرقہ واریت کے عروج اور وشو ہندو پریشد کو حاصل ہوئی زبردست سیاسی قوت کے پیش نظر پریشد کے لیڈروں میں بے پناہ جوش و خروش پیدا ہوگیا ہے ۔ وہ ہندوستان کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں چھاجانے کا خواب دیکھ رہے ہیں ۔ وہ 21 ویں صدی کو " ہندو صدی " بنانے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر وہ ہندوستان میں اپنائی جانے والی فاشسٹ پالیسی کا تانا بانا دوسرے ممالک میں بھی پھیلائیں تو انہیں کامیابی حاصل ہوسکتی ہے ۔ اس خیال کے پیش نظر پریشد کے لیڈروں نے دنیا بھر میں کانفرنس اور کنونشن کرنے کا منصوبہ ترتیب دیا ہے ۔ اس کے لئے پہلے وہ مختلف ممالک میں کمیٹیاں تشکیل دے رہے ہیں پھر ان کے ذریعے ان ممالک میں ایسا ماحول بنانے کی پلاننگ ہے جو ان کے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچاسکے۔

اپنے خطرناک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے سے قبل ہندو لیڈروں نے جنوبی افریقہ کے شہر ڈربن میں گذشتہ دنوں عالمی ہندو کنونشن کا انعقاد کیا تھا جس میں جنوبی افریقہ کے صدر نیلسن منڈیلا کو بھی مدعو کیا گیا تھا ۔ آر ایس ایس کے ترجمان پانچ جنیہ کے مطابق اس میں 31 ممالک کے دو ہزار مندوبین نے شرکت کی ۔ رپورٹ کے مطابق نیلسن منڈیلا نے بھی کنونشن کو خطاب کیا۔ کنونشن میں 21 ویں صدی کو ہندو صدی بنانے ،گئو کشی پر پابندی عائد کرنے (شاید عالمی سطح پر)، دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہندوؤں کا تحفظ کرنے اور تبدیلی مذہب کو روکنے پر خاصا زور دیا گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ڈربن کنونشن پلاننگ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بطور جائزہ منعقد کیا گیا تھا۔
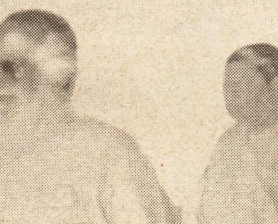
تبدیلی مذہب اور ہندوؤں کے تحفظ کو ترجیح دی گئی ہے ۔ کیونکہ یہ دونوں ایشوز ایسے ہیں جن کے سہارے فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کی جاسکتی ہے ۔ آغاز لندن سے کیا جارہا ہے ۔ وہاں اسلام پسندوں کی سرگرمیوں پر پابندی لگوانے اور ان سے نمٹنے کے لئے "سریع الحرکت گروپ" تشکیل دئے گئے ہیں۔ یہاں ان گروپوں کی کامیابی کے بعد دوسرے شہروں اور ملکوں میں بھی ایسے گروپ بنائے جائیں گے ۔ یوں تو مختلف ممالک میں وشو ہندو پریشد کی شاخیں موجود ہیں لیکن یہ اپنی نوعیت کے پہلے گروپ ہوں گے ۔ ان کا کام ان مقامات پر فی الفور پہنچ کر اسلام پسندوں بالخصوص "حزب التحریر" کے پروگراموں کو سبوتاژ کرنا ہے ،جہاں اسلام پسندوں کی سرگرمیاں جاری ہوں اور لوگ خصوصاً غیر مسلم ان کی طرف مائل ہورہے ہوں۔

واضح رہے کہ حزب التحریر ان اسلام پسندوں کی جماعت ہے جو دانش گاہوں اور یونیورسٹیوں میں غلبہ اسلام کے لئے سرگرم ہے ۔ ۔ پریشد کے ذرائع کے مطابق حزب التحریر کے لوگ ہندوستانی طلباء بالخصوص سکھ طلباء کو اپنا نشانہ بناتے ہیں لندن میں تین چار گروپ تشکیل دیے جارہے ہیں جن میں سے دو وسطی لندن میں اور بقیہ دو شمالی لندن میں تعینات رہیں گے ۔ ایک گروپ میں پندرہ بیس ایسے افراد ہوں گے جو اسلام پسندوں کی دعوت کی کاٹ کرسکیں اور ان کے ذریعے کی جانے والی تبلیغ اسلام کو سبوتاژ کرسکیں۔ پریشد کے ذرائع نے انتہائی چالاکی سے ان گروپوں میں سادھوؤں کو شامل نہ کرکے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو شامل کیا ہے۔

ایسے مقامات پر جہاں حزب التحریر کے لوگ تبلیغ کر رہے ہوں گے ، یہ گروپ چوبیس گھنٹے کے قلیل نوٹس پر پہنچ جائیں گے اور اسلام مخالف پروپیگنڈہ شروع کردیں گے ۔ نیشنل ہندو اسٹوڈنٹس فورم کے منوج لاڈوا کا کہنا ہے کہ یہ لوگ پولیس اور دیگر علاقائی گروپوں کا بھی تعاون حاصل کریں گے ۔ پریشد کے ذمہ دار ان لوگوں کے ساتھ مل کر دوسرے پروگراموں کو بھی ترتیب دے رہے ہیں۔

برطانیہ میں وشو ہندو پریشد کے جنرل سکریٹری کشور روپریلیا کا کہنا ہے کہ اسلام پسندوں کی جانب سے ہندو طلبا کو نشانہ بنانے کی سرگرمیوں کے نتائج کا بھی جائزہ لیا جائے گا ۔ اس کے علاوہ وشو ہندو پریشد ایسے مقررین کی ٹیم بھی تیار کر رہی ہے جو برطانوی ہندوؤں کو درپیش مسائل پر توجہ دے گی۔ یہ ٹیم دوسرے طلباء کے سوالات کے جواب بھی دے گی۔ یہ مقررین کسی بھی مطلوبہ مقام پر 48 گھنٹے کے اندر پہنچ جائیں گے ۔

دراصل حزب التحریر کے رضاکار لندن میں مختلف مقامات پر تقریریں کرتے ہیں۔ حزب التحریر کے ذرائع کے مطابق یہ لوگ برطانوی یونیورسٹیوں میں ایک مہینے میں دو ہزار جلسوں سے خطاب کرتے ہیں ۔ ان کا جواب دینے اور انہیں ناکام بنانے کی غرض سے ہی پریشد نے مقررین کو تعینات کیا ہے ۔

دراصل یہ لوگ ان مقامات پر پہنچ جائیں گے جہاں اسلام پسندوں کے جلسے ہورہے ہوں گے اور انہیں ناکام بنانے کے لئے مختلف ہتھکنڈے اپنائیں گے ۔ تاکہ کسی طرح خلفشار پیدا ہو اور اسلام پسندوں کے جلسوں کو سبوتاژ کیا جاسکے ۔ اس مہم میں فرقہ وارانہ کشیدگی بھی پیدا کی جائے گی۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسلام پسندوں کو پروگرام منعقد کرنے سے روک دیا جائے ۔ حکومت امن و قانون کا سہارا لے کر ان کے پروگراموں پر پابندی لگا سکتی ہے۔

بہر حال شروعات لندن سے ہورہی ہے ۔ اس کے بعد دوسرے ممالک کے اہم شہروں کو نشانہ بنایا جائے گا تاکہ پریشد کے خطرناک عزائم کو روبہ عمل لانے میں تعاون مل سکے۔

جنوبی افریقہ کے کنونشن میں نیلسن منڈیلا، سوامی اگنی ویش، اوما بھارتی، آچاریہ گری راج کشور، مرلی منوہر جوشی اور آر ایس ایس کے دتوپنت ٹھیگڑی وغیرہ نے شرکت کی

مسلم کٹر پنتھیوں کے خلاف ہندوؤں کا منظم انتقام بڑا بھیانک ہوگا

تمل ناڈو کے مسلمانوں کو ہندو انتہا پسند جماعت "ہندو منانی" کی خطرناک دھمکی

ہندو احیاپسند جماعت "ہندو منانی" کی سرگرمیوں کے نتیجے میں مدراس کی پرامن فضا تیزی سے فرقہ وارانہ کشیدگی کی جانب مائل ہوتی جارہی ہے ۔ یہ جماعت 1978ء میں ہندو مفادات کے تحفظ کے لئے قائم کی گئی تھی۔ شروع کے چند برسوں میں یہ جماعت فرقہ واریت پیدا کرنے میں ناکام رہی لیکن بابری مسجد کے انہدام کے عین قبل سے ہی یہاں حالات خراب ہونے شروع ہوگئے ۔ اور اب صورت حال یہ ہے کہ ہندو مسلم کشیدگی میں زبردست اضافہ ہوگیا ہے ۔ حالانکہ ہندوؤں کا ٹکراؤ یہاں تمل زبان بولنے والوں سے ہے لیکن ہندو منانی کے رضاکار ہندو تمل کشیدگی کو ہندو مسلم کشیدگی میں تبدیل کرنے کے درپے ہیں اور وہ اس میں بہت حد تک کامیاب بھی ہیں ۔ اس کا فائدہ اٹھاکر تمل گروپ ہندوؤں کے خلاف اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہندو منانی کے لیڈروں کو بھی اس کا علم ہے لیکن وہ تملوں کے خلاف صف آرا ہونے کے بجائے مسلمانوں کے خلاف متحد ہورہے ہیں اور مسلمانوں کو خطرناک دھمکیاں بھی دے رہے ہیں۔

1982ء سے اب تک مدراس میں ہندو منانی اور آر ایس ایس کے دفاتر کے آس پاس کئی بار بموں کے دھماکے ہوچکے ہیں جن میں ہندو منانی اور آر ایس ایس کے کئی افراد ہلاک ہوئے ہیں ۔ گذشتہ سال آر ایس ایس کے ہیڈ کوارٹر پر بھی بم دھماکہ ہوا تھا جس میں 11 افراد ہلاک ہوئے تھے ۔ ابھی کچھ دنوں قبل ناگ پٹنم ضلع کے ناگور میں ایک لیٹر بم پھٹا جس کے نتیجے میں ہندو منانی کے ضلع کنوینر کی بیوی ہلاک ہوگئی ۔ ہندو لیڈروں نے اس کا الزام مسلمانوں کے سر ڈالا ہے وہ تمام دھماکوں کی ذمہ داری بھی مسلمانوں پر ڈالتے ہیں لیکن آج تک ایک بھی مسلمان کو پولیس گرفتار نہیں کرسکی ہے۔ 1982ء سے ہی دھماکوں کا سلسلہ جاری ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ ابھی تک ایک بھی مسلمان پکڑا نہیں جاسکا ۔ یہ حقیقت اس بات کی واضح نشاندہی کرتی ہے کہ مسلمانوں کا تعلق ان دھماکوں سے قطعی نہیں ہے ۔ اگر مسلمان ان میں ملوث ہوتے تو پولیس اگلے دن ہی نہ جانے کتنے مسلمانوں کو گرفتار کرکے جیلوں میں ڈال دیتی۔

ابھی گذشتہ دنوں متنازعہ فلم "بمبئی" کے خالق منی رتنم پر بھی بم کا حملہ ہوا تھا۔ پہلے مسلمانوں پر شبہ ظاہر کیا گیا ۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ اس دھماکہ کے پس پردہ تمل انتہا پسندوں کا ہاتھ تھا ۔ اسی طرح دوسرے دھماکوں میں بھی یہی لوگ ملوث ہوسکتے ہیں لیکن ہندو لیڈروں میں اتنی جرات نہیں ہے کہ وہ کھلم کھلا ان لوگوں کو مورد الزام ٹھہراسکیں۔

گذشتہ کچھ دنوں سے مدراس میں لیٹر بم کا سلسلہ شروع ہوا ہے جس پر آر ایس ایس اور ہندو منانی کو زبردست تشویش ہے ۔ دراصل کسی لیڈر کے نام پہلے ایک تار آتا ہے اس پر بھگود گیتا اور شری رام جیسے الفاظ لکھے ہوتے ہیں ۔ تار میں مطلوبہ شخص کو کسی متعینہ تاریخ پر اپنے گھر رہنے کو کہا جاتا ہے تاکہ اس سے ضروری گفت وشنید کی جاسکے ۔ لیکن متعینہ تاریخ پر کسی شخص کی آمد کے بجائے ایک پارسل پیکٹ آتا ہے اور اس پر بھی تار والے دھارمک الفاظ لکھے ہوتے ہیں ۔ جوں ہی وہ شخص پارسل کو کھولتا ہے ایک زوردار دھماکہ ہوتا ہے اور وہ شخص یا تو ہلاک ہوجاتا ہے یا بری طرح زخمی ہوجاتا ہے ۔ ہندو منانی کے لیڈر کی بیوی کی ہلاکت بھی اسی طرح ہوئی تھی ۔ پارسل شوہر کے نام تھا جو اس وقت کسی ضروری کام سے عدالت گیا ہوا تھا ۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کی بیوی نے پارسل کھولا اور نتیجے میں وہ ہلاک ہوگئی۔

ہندوؤں اور تملوں کی لسانی لڑائی بہت پرانی ہے ۔ تملوں سے مقابلہ کرنا بھی ہندو منانی کے قیام کا ایک مقصد تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ 1982ء سے ہی دھماکوں کا سلسلہ چل رہا ہے ۔ لیکن دھمکیاں مسلمانوں کو دی جارہی ہیں۔ 1982ء سے لے کر اب تک دس دھماکے ہوچکے ہیں۔

ان دھماکوں کے پیش نظر تمل ناڈو پردیش ہندو منانی کے صدر رام گوپالن نے مسلمانوں کو دھمکیاں دی ہیں اور ان دھماکوں میں آئی ایس آئی بھی ہاتھ بتایا ہے ۔ یہ بھی کہا ہے کہ مسلمان دھماکے کرکے پاکستان بھاگ جاتے ہیں یا مسجدوں میں پناہ لے لیتے ہیں جس کی بنا پر وہ پکڑے نہیں جاتے ۔ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ مسجدوں سے مسلمانوں کو پکڑنے میں پولیس ناکام ہے ۔ مسجدیں کیا ہوئیں زیر زمین خفیہ بنکرس اور پناہ گاہیں ہوگئیں۔

رام گوپالن مسلمانوں کو دھمکی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ہندو عوام ہوشیار نہیں ہوئے تو اس کے بھیانک نتائج بھگتنے پڑسکتے ہیں اور بے قصوروں کو بھی اپنی جان گنوانی پڑسکتی ہے ۔ وہ آگے کہتے ہیں ہندو منانی نے ابھی تک مسلمانوں کے خلاف انتقامی کارروائی نہیں کی ہے ۔ ہم قانون کو اپنے ہاتھوں میں نہیں لینا چاہتے لیکن ہندوؤں میں غم و غصے کے جذبات دن بدن بڑھتے جارہے ہیں اگر مسلم کٹر پنتھی گفت و شنید کا راستہ ترک کرکے اسی طرح دہشت گردی کا سہارا لیتے رہیں گے تو ہندو عوام بھی جلد یا بدیر انتقامی کارروائی پر اتر آئیں گے اور اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت اور مسلمانوں کے سر ہوگی۔ ہندو عوام کا منظم انتقام بڑا بھیانک ہوسکتا ہے اور ہندوؤں کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہورہا ہے۔

گویا ہندو منانی کے لیڈر نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف انتقامی کارروائی کرنے کے لئے ہری جھنڈی دکھا دی ہے ۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے تحفظ کے لئے مناسب بندوبست کرے ورنہ وہ دن دور نہیں جب ہندو انتہا پسندوں کی خطرناک سرگرمیوں کے نتیجے میں تمل ناڈو مسلم دشمنی کا جیتا جاگتا نمونہ بن جائے گا۔

بی جے پی کی جانب سے اپنے ورکروں کو انتخابی لہر پیدا کرنے کی ہدایت

الیکشن سے قبل ہندوتو اور رام راجیہ کے نام پر فسادات بھڑکانے کا منصوبہ

رپورٹ : سہیل انجم

بی جے پی نے زبردست قوت کے ساتھ انتخابی میدان میں چھلانگ لگا دی ہے ۔ وہ انتخابی مہابھارت کو جیت لینے کے لئے تمام تر اسلحوں سے لیس ہے ۔ لیکن اس کا سب سے کارگر اور موثر ہتھیار مسلم مخالف پروپیگنڈہ ہے ۔ مسلم دشمنی کے خطرناک ہتھیار سے وہ اس جنگ کو جیت لینا چاہتی ہے ۔ بی جے پی لیڈروں کا خیال ہے کہ یہ وقت چوکنے کا نہیں ہے ۔ یہی موقع ہے جب وہ مرکز میں برسراقتدار آکر ہندوستان کو ہندو راشٹر میں تبدیل کرسکتے ہیں۔

گذشتہ دنوں دہلی میں بی جے پی نیشنل ایگزیکٹیو کی دو روزہ میٹنگ اور بی جے پی ممبران پارلیمنٹ و اسمبلی کا دو روزہ ورکشاپ منعقد ہوا تھا۔ ان دونوں میٹنگوں میں انتخابی حکمت عملی پر غور و خوض ہوا۔ مقررین نے اپنے پرجوش انداز بیان سے ورکروں میں طاقت کا انجکشن لگانے کی کوشش کی۔ پارٹی کے جنرل سکریٹری پرمود مہاجن نے خونخوار تیور اپناتے ہوئے ورکروں کو انتخابی میدان میں اترنے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ الیکشن سے قبل عوام میں ایک لہر پیدا کردیں ۔ وشو ہندو پریشد کے پروگراموں میں بھی شرکت کریں اور پریشد کے ذریعے نکالی جانے والی یاتراؤں میں شامل ہوکر عوام کو ہندوتو کے فروغ اور ہندوستان میں رام راجیہ کے قیام کے لئے آمادہ کریں۔ ان پروگراموں میں ہندو ووٹ حاصل کرنے کے لئے یکساں سول کوڈ، کشمیر اور ملک کو درپیش سرحدی خطروں سے لوگوں کو آگاہ کریں اور ایک ایسی فضا بنادیں کہ ہندوؤں کی اکثریت بی جے پی کو ووٹ دینے کے لئے مجبور ہوجائے۔

صرف پرمود مہاجن ہی نے نہیں بلکہ آڈوانی، جوشی، واجپئی اور دوسرے لیڈروں نے بھی پارٹی ورکروں میں جوش و خروش پھونکنے کی کوشش کی۔ تمام لیڈروں کی تقریروں کا محور مسلم مخالفت تھا اور یہ بھی واضح کرنا تھا کہ اب تم اقتدار کے زینے کے عین قریب پہنچ گئے ہو ذرا سی جست لگائی کہ مرکزی گدی پر متمکن ہوگئے۔

ابھی کچھ دنوں قبل بی جے پی کے لئے ایشوز کا قحط پڑگیا تھا۔ اس کے پاس کوئی ایسا موضوع نہیں تھا جس کی بنیاد پر وہ ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کرسکتی۔ لیکن ادھر گذشتہ کچھ دنوں سے ایسے حالات رونما ہوئے یا جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ بی جے پی کے لئے انتخابی جنگ آسان ہوگئی۔ سپریم کورٹ اس سلسلے میں کافی معاون و مددگار ثابت ہوئی ہے۔ یوں تو یکساں سول کوڈ کا ایشو بہت پرانا ہے لیکن اس میں کوئی دم نہیں تھا البتہ جسٹس کلدیپ سنگھ کے فیصلے کے بعد بی جے پی کے لئے یکساں سول کوڈ ایک موثر ہتھیار بن گیا ہے ۔ ادھر وشو ہندو پریشد پر سے پابندی بھی ختم ہوگئی ہے جس سے وہ آزادی سے فرقہ وارانہ فضا سازگار کرسکتی ہے ۔ دریں اثنا سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ بھی دے دیا کہ انتخابی مہم میں مذہبی بنیاد پر ووٹ مانگنا معیوب نہیں ہے ۔ اس نے دلیل یہ دی کہ جب تک حکومت مذہبی بنیاد پر قائم پارٹیوں پر پابندی نہیں لگاتی تب تک انہیں مذہبی ایشوز کو اٹھانے سے نہیں روکا جاسکتا۔ عدالت نے اس بنیاد پر شیو سینا کے ایک ممبر اسمبلی کی رکنیت کو بھی بحال کردیا جبکہ اس سے قبل بمبئی کی عدالت نے مذہبی بنیاد پر ووٹ مانگنے کی وجہ سے اس کی رکنیت ختم کردی تھی۔

اس فیصلے کے بعد بی جے پی میں بے پناہ جوش و خروش پیدا ہوگیا ہے ۔ کیونکہ اب انتخابی مہم میں مذہبی منافرت پھیلاکر ووٹ مانگنے سے اسے کوئی نہیں روک پائے گا اور اس کے سامنے یہ خطرہ بھی نہیں ہوگا کہ عدالت کہیں اس کی انتخابی مہم کو کالعدم نہ قرار دے دے ۔ یہی وجہ ہے کہ بی جے پی کے ورکشاپ میں مقررین نے زبردست جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور علی الاعلان ہندوتو کے نام پر ووٹ مانگنے کی بات کہی۔ آڈوانی نے قومیت کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ سیکولرزم قومیت کے دائرے میں نہیں آتا۔ یہ تو نقلی سیکولرزم ہے ۔ قومیت وہ ہے جو ہندو تہذیب و ثقافت کا رنگ و روپ لئے ہوئے ہو۔ ان کے بقول موجودہ سیکولرزم ہی بہت سے مسائل کی جڑ ہے یہ ختم ہوجائے تو مسائل خود بخود ختم ہوجائیں گے۔ انہوں نے پارٹی ورکرس سے یہ بھی کہا کہ بی جے پی کی جیت قومی وقار سے وابستہ ہے۔

ہم جیت گئے تو اس ملک میں رام راجیہ قائم ہوجائے گا ۔ سادھو سنت مرکز میں کسی بھی ہندو مخالف حکومت کے حق میں نہیں ہیں۔

مسلم ووٹ منتشر کردو

ابھی کچھ دنوں قبل آڈوانی نے اعلان کیا تھا کہ بی جے پی کی حکومت والی ریاستوں میں یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کے لئے قانون بنایا جائے گا۔ لیکن

اب بی جے پی نے اس پہلو پر کافی غور و خوض کرکے اپنا یہ اعلان واپس لے لیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ایسا کرنے سے ان ریاستوں کا مسلم ووٹ اسے نہیں ملے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ ان ریاستوں میں ایک ایشو کی موت ہوجائے گی پھر دوبارہ اس کے نام پر ووٹ نہیں مانگا جاسکے گا۔ بی جے پی نے یہ حکمت عملی اختیار کی ہے کہ یا تو مسلم ووٹ تھوڑی بہت تعداد ہی میں سہی حاصل کرلئے جائیں یا پھر اسے کانگریس کی جھولی میں جانے سے روکا جائے اور اس کو منتشر کردیا جائے ۔ مسلم ووٹ کی طاقت کو ختم کردیا جائے۔

بی جے پی کے لیڈروں کا خیال ہے کہ یکساں سول کوڈ کا ایشو ایسا ہے جس کی مخالفت کوئی نہیں کرسکتا۔ جو کرے گا وہ ہندو ووٹ سے محروم ہوجائے گا ۔ ادھر بی جے پی دو انداز سے اس کا پروپیگنڈہ کرے گی، ایک تو ہندوتو کے نام پر اور دوسرے خواتین کے مساوی حقوق کے نام پر۔ واجپئی کے اعتراض پر یکساں سول کوڈ کے لئے قانون بنانے سے پہلوتہی کرلیا گیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی کہا کہ جس طرح بابری مسجد انہدام کے بعد یہ ایشو مرگیا اسی طرح یکساں سول کوڈ نافذ کردینے کے بعد یہ ایشو بھی مرجائے گا۔ اس لئے اس کو زندہ رکھا جائے اور اس کے نام پر ووٹ حاصل کیا جائے۔

اس وجہ سے بھی اس معاملہ کو فی الحال ترک کردیا گیا کہ بی جے پی مسلم رائے دہندگان کے جذبات کی پیمائش بھی کرنا چاہتی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر بی جے پی ہندوتو کے ایشو کو جارحانہ انداز میں لے کر انتخاب میں نہ اترے تو اسے کچھ مسلم ووٹ بھی مل سکتا ہے ۔ گذشتہ انتخابات میں بی جے پی کو کچھ مسلم ووٹ ملا بھی ہے ۔ اس لئے اس کا خیال ہے کہ اس ایشو میں صرف اتنی ہوا بھری جائے کہ مسلمان نہ بھڑکیں۔

حالانکہ اس انداز میں سوچنے والوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے اکثریت انہی لوگوں کی ہے جو مسلم ووٹ سے دور رہ مسلم دشمن رویہ اپناکر ہندوؤں کو ورغلانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے یکساں سول کوڈ ، کشمیر ، تعدد ازدواج اور دیگر مسلم مخالف ہتھکنڈے اپنائے جارہے ہیں۔ ادھر وشو ہندو پریشد رتھ یاتراؤں کے ذریعے رام مندر، کرشن مندر اور کاشی مندر کے معاملات کو بھی پرزور انداز میں اٹھائے گی۔ بی جے پی کے ورکرس بھی اس میں شامل ہوں گے ۔ گویا مجموعی طور پر بی جے پی نے فرقہ واریت کی راہ پر پھر اپنا گھوڑا ڈال دیا ہے کیونکہ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتی ہے کہ فرقہ واریت ہی اسے اقتدار تک پہنچا سکتی ہے۔

بی جے پی کے دو روزہ ورک شاپ میں انتخابی لہر پیدا کرنے کی کوششوں پر غور و خوص

سیکولر طاقتوں کا انتشار بی جے پی کے لئے صحت بخش ٹانک

کیا نیشنل فرنٹ فسطائی قوتوں کے بڑھتے سیلاب کو روک پانے میں ناکام ہوجائے گا۔ کیا فرنٹ متحد اور وسیع ہونے کی تکلیف دہ جدوجہد کا بار برداشت نہ کرکے خود ہی ٹوٹ پھوٹ کر منتشر ہوجائے گا اور کیا نیشنل فرنٹ کی چھری انتخابی طوفان کی شدت کو جھیلنے میں ناکام ہوکر الٹ جائے گی؟ یہ اور ایسے نہ جانے کتنے سوالات آج سیکولر اور امن پسند عوام کے ذہنوں کو بری طرح جھنجھوڑ رہے ہیں۔

جنرل الیکشن کے قریب آنے کے ساتھ ہی بی جے پی میں زبردست جوش و خروش پیدا ہوگیا ہے وہ خود کو اگلی برسراقتدار جماعت کے طور پر دیکھ رہی ہے ۔ کانگریس نے بھی دہلی کے قریب سورج کنڈ میں چھ روزہ تربیتی کیمپ کا انعقاد کرکے انتخابی مہم کا آغاز کردیا ہے ۔ ادھر نیشنل فرنٹ کی تقریباً روزانہ میٹنگیں چل رہی ہیں۔ وہ بھی خود کو اگلے برسراقتدار مورچے کی حیثیت سے دیکھ رہا ہے ۔ لیکن جہاں بی جے پی اپنے ورکرس میں جوش و خروش بھرنے اور کانگریس اپنے چاک گریباں کو رفو کرنے میں کچھ حد تک کامیاب ہوگئی ہیں وہیں نیشنل فرنٹ کی چاک دامانی میں مسلسل اضافہ ہوتا جارہا ہے ۔ فرنٹ کا ایک گروپ ملائم سنگھ اور جے للتا کو اس میں شامل کرنے کے لئے بے تاب ہے تو دوسرا گروپ اس کی مخالفت کررہا ہے ۔ ابھی جے للتا نے مورچے میں شمولیت کا کوئی اشارہ بھی نہیں دیا کہ مورچے کا ایک بانی رکن ڈی ایم کے اسے داغ مفارقت دے گیا۔ کروناندھی نے خود کو جے للتا کے سوال پر مورچے سے الگ کرلیا ہے۔ ادھر بایاں محاذ بھی جے للتا کے حق میں نہیں ہے۔

ملائم سنگھ کے معاملے پر بھی جنتا دل میں اختلاف رائے ہے ۔ اس سے قبل کہ یہ اختلاف رائے ختم ہوتا سماجوادی پارٹی نے مورچے میں شامل ہونے سے انکار کردیا ہے ۔ ملائم سنگھ کا خیال ہے کہ نیشنل فرنٹ کا بنیادی دھڑا جنتا دل یوپی میں بہت کمزور ہے اور پھر ملائم تمام سیٹوں پر الیکشن لڑکر زیادہ سے زیادہ ایم پی دہلی بھیجنا چاہتے ہیں اس لئے نشستوں پر تال میل کی صورت بھی نظر نہیں آتی ۔ سماجوادی پارٹی کا کہنا ہے کہ اس کی حکومت کی برخاستگی کے بعد دلتوں ، مسلمانوں اور پسماندہ طبقات کے اس کے ووٹ بینک میں اضافہ ہوا ہے اور وہ یوپی میں بی جے پی اور کانگریس دونوں کو شکست دینے کی پوزیشن میں ہیں۔ جبکہ اتحاد کی صورت میں ایسا مشکل ہے۔

نیشنل فرنٹ کا یہ بکھراؤ سیکولر طاقتوں اور مسلمانوں کے لئے تشویش کا باعث ہے ۔ اس سے غیر بی جے پی اور غیر کانگریس ووٹ کی تقسیم کو کوئی نہیں روک پائے گا اور اگر ایسا ہوا تو اس کا براہ راست فائدہ بی جے پی کو حاصل ہوگا۔ اگر سیکولر پارٹیاں بی جے پی کو مرکز میں برسراقتدار آنے سے روکنا چاہتی ہیں تو انہیں متحد ہوکر فرقہ پرست طاقتوں کے خلاف جدوجہد کرنی ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو بی جے پی کو دلی پر قبضہ کرنے سے کوئی نہیں روک پائے گا۔ ——

گیان واپی مسجد اور متھرا کی عید گاہ خطرے میں

حکومت نے ان کے تحفظ کا بندو بست نہیں کیا تو جنم اشٹمی کے موقع پر کچھ بھی ہوسکتا ہے

اس وقت بنارس کی گیان واپی مسجد اور متھرا کی عید گاہ زبردست خطرے میں ہیں۔ جل ابھشیک اور پریکرما کے نام پر فرقہ پرست طاقتیں خطرناک سازشوں کے جال بن رہی ہیں۔ ان کی کوشش 18 اگست یعنی کرشن جنم اشٹمی تک صورت حال کو انتہائی دھماکہ خیز بنادینے کی ہے۔ اگر یہ طاقتیں اس میں کامیاب ہوگئیں تو اس موقع پر کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ بابری مسجد کی مانند گیان واپی مسجد اور متھرا کی عید گاہ کو شہید کرنے کی ناپاک کوششیں بھی ہوسکتی ہیں۔

اتر پردیش میں مایاوتی کی حکومت بننے اور وشو ہندو پریشد پر سے پابندی ختم ہوجانے کے بعد فسطائی عناصر میں زبردست جوش و خروش پیدا ہوگیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ چونکہ بی ایس پی حکومت بی جے پی کے احسانوں تلے دبی ہے اس لئے وہ ان کی سرگرمیوں سے نہ صرف چشم پوشی کرے گی بلکہ اگر کلیان سنگھ کا اشارہ ہوگیا تو پشت پناہی بھی کرسکتی ہے۔ کلیان سنگھ چونکہ بابری مسجد کی شہادت کے "ہیرو" تصور کئے جاتے ہیں اس لئے شرپسند قوتیں مذکورہ دونوں عبادت گاہوں کے خلاف رچی گئی سازشوں میں ان کے تعاون کے طلبگار ہیں۔

سردست یہ معلوم نہیں ہوسکا ہے کہ کلیان سنگھ کا موقف کیا ہے۔ جہاں تک بی جے پی کا سوال ہے تو وہ ابھی ان دونوں عبادت گاہوں کو شہید کروانے کے موڈ میں نہیں ہے وہ اس معاملے کو دھماکہ خیز بناکر الیکشن تک کھینچنا چاہتی ہے تاکہ فرقہ وارانہ منافرت کی بنیاد پر ووٹ حاصل کرکے مرکز میں حکومت بنائی جاسکے۔

لیکن نمائندہ ملی ٹائمز کو انتہائی باوثوق ذرائع سے ملی اطلاعات کے مطابق اشوک سنگھل اینڈ کمپنی گیان واپی مسجد اور متھرا کی عید گاہ کو جلد از جلد منہدم کروا دینا چاہتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ اشوک سنگھل کو نظر آرہا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ایسا ہوگیا تو انہیں عالمی سطح پر ہندو مندروں کے احیاء کا چیمپئن تصور کرلیا جائے گا۔ گیان واپی مسجد کے پاس واقع وشو ناتھ مندر میں ہر سوموار کو جل ابھشیک اور مندر و مسجد کی پریکرما کا سلسلہ اسی حکمت عملی کا ایک حصہ ہے۔ حالانکہ اس سے قبل یہاں تک کہ بی جے پی کی حکومت میں بھی جل ابھشیک اور پریکرما کے پروگراموں کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن اب وشو ہندو پریشد نے اس نئے پروگرام کی شروعات کرکے گیان واپی مسجد کو لاحق خطرات میں بے پناہ اضافہ کردیا ہے۔ اشوک سنگھل نے اعلان کیا ہے کہ اب یہ پریکرما اور جل ابھشیک ہر سوموار کو ہوتا رہے گا۔ ساون مہینے کے پہلے سوموار سے اس نئی شرپسندی کا آغاز کیا گیا ہے۔ اس موقع پر انتہائی قابل اعتراض قسم کے نعرے بھی لگائے گئے۔ لیکن مقامی انتظامیہ نے شرپسندوں کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ جس سے علاقے کے مسلمانوں میں زبردست غم و غصہ اور خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی ہے۔ دراصل وشو ہندو پریشد بھی یہی چاہتی ہے۔ اس کا مقصد فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرکے صورت حال کو نازک بنا دینا ہے۔ گیان واپی مسجد کو لاحق خطرات کی روشنی میں بنارس کی مساجد انتظامیہ کمیٹی نے یوپی کے گورنر موتی لال وورا سے ملاقات کی ہے اور میمورنڈم کی ایک کاپی ان کے ساتھ ساتھ وزیر اعلی مایاوتی کو بھی پیش کی ہے۔

دریں اثنا متھرا کی عید گاہ بھی غیر محفوظ ہوتی جارہی ہے۔ وہاں تعینات حفاظتی پولیس کی دلچسپی عید گاہ کے تحفظ کے تئیں کم ہوگئی ہے۔ چونکہ متھرا بھی اجودھیا کی مانند ہندو اکثریتی شہر ہے اس لئے یہاں بھی عید گاہ کے خلاف بے پناہ جذبات ہیں۔ اطلاعات کے مطابق وشو ہندو پریشد اور سادھوؤں کی حکمت عملی حکومت اور انتظامیہ کو بنارس میں الجھا کرکے متھرا میں شرانگیزی کرنے کی ہے۔ کرشن جنم اشٹمی بڑے پیمانے پر متھرا ہی میں منائی جاتی ہے۔ اس موقع پر وہاں قرب و جوار کے ہزاروں افراد اکٹھا ہوتے ہیں۔ ان کے مذہبی جذبات کا استحصال کرنا پریشد کے لئے بہت آسان ہے۔ وہ اجودھیا کی مانند یہاں بھی جذبات کو ہوا دے کر خطرناک کھیل کھیلنے کی تیاری کررہی ہے۔

بنارس کے تعلق سے تو حفاظتی نوعیت کی خبریں آتی رہتی ہیں لیکن متھرا کے بارے میں ایسی کوئی خبر اخبارات میں شائع نہیں ہوتی۔ حالانکہ متھرا کی عید گاہ کو گیان واپی مسجد سے کہیں زیادہ خطرات لاحق ہیں۔ نمائندہ ملی ٹائمز کو بارسوخ ذرائع سے ملی اطلاعات کے مطابق اگر حکومت کی توجہ متھرا کی عید گاہ کی طرف مبذول نہیں ہوئی تو کرشن جنم اشٹمی کے موقع پر اسے شہید کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ خدا کرے کہ ایسا نہ ہو لیکن حالات چیخ چیخ کر کسی بدشگونی کا اشارہ دے رہے ہیں۔ حکومت ہے کہ خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ وہ نہ تو گیان واپی مسجد کے تحفظ کے لئے سنجیدہ ہے اور نہ ہی متھرا کی عید گاہ کے لئے۔ حکومت کی یہ معنی خیز خاموشی کہیں کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تو نہیں۔

حالات چیخ چیخ کر کسی بد شگونی کا اشارہ دے رہے ہیں۔ حکومت ہے کہ خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ وہ نہ تو گیان واپی مسجد کے تحفظ کے لئے سنجیدہ ہے اور نہ ہی متھرا کے عید گاہ کے لئے۔ حکومت کی معنی خیز خاموشی کہیں کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تو نہیں۔

ان کی کوشش 18 اگست یعنی کرشن جنم اشٹمی تک صورت حال کو انتہائی دھماکہ خیز بنادینے کی ہے۔ اگر یہ طاقتیں اس میں کامیاب ہوگئیں تو اس موقع پر کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ بابری مسجد کی مانند گیان واپی مسجد اور متھرا کی عید گاہ کو شہید کرنے کی ناپاک کوششیں بھی ہوسکتی ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالی

سے دعا ہے کہ.........

برطانیہ میں مسلم پارلیامنٹ کے بزرگ رہنما اور مسلم انسٹی ٹیوٹ لندن کے بانی محترم ڈاکٹر کلیم صدیقی صاحب گذشتہ کئی ہفتوں سے موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ محترم صدیقی صاحب کا کوئی دو ماہ قبل دل کا آپریشن ہوا تھا جس کے بعد ہی مرض نے پیچیدگی اختیار کرلی۔ دعا ہے اللہ تعالی محترم بھائی کو صحت کاملہ سے نوازے اور ان سے دین کے غلبے کا کام لے۔ ادارہ ملی ٹائمز ان کی طویل عمر کے لئے اللہ جل شانہ کی خدمت میں دعاگو ہے۔ آمین!

میری بچی "امن کی اولاد" ہے۔ سوہا عرفات

یاسر عرفات 25 جولائی کو ایک بچی کے باپ ہوگئے۔ 65 سالہ عرفات نے یہ خوشخبری سننے کے بعد کہا کہ ان کا بچہ دوسرے عام بچوں کی طرح ہے اور وہ خود بھی ایک عام باپ کی طرح ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ انہوں نے امید ظاہر کی کہ ان کی بچی غازہ میں زیادہ بہتر ماحول اور امن کی فضا میں سانس لے سکے گی۔ حالانکہ ایک عام فلسطینی بچے یا بچی کے برخلاف عرفات کی بچی پیرس کے ایک نہایت عمدہ اسپتال میں پیدا ہوئی ہے۔ سوہا عرفات کئی ہفتے سے پیرس میں ہیں۔ دراصل وہ اسی مقصد کے لئے وہاں گئی ہوئی تھیں۔ چونکہ غازہ کے اسپتالوں میں سہولتیں قابل اطمینان نہیں ہیں اس لئے سوہا نے بچی کی پیدائش کے لئے پیرس کے ایک امریکی اسپتال کا انتخاب کیا۔

بچی کی پیدائش سے سوہا کو فطری طور پر کافی خوشی ہوئی ہے۔ وہ بچے کی بہ نسبت بچی کی خواہش مند بھی تھیں۔ انہوں نے پہلے ہی اس بچی کو "امن کی اولاد" کا خطاب دے رکھا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان کی بچی دوسرے فلسطینی بچوں کی طرح ان کے دکھ اور خوشی میں شریک ہوگی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ عرفات کے پاس اتنا وقت نہ ہوگا کہ وہ اپنی بچی کو دودھ پلا سکیں لیکن چند منٹ جو وہ اس کے ساتھ گزاریں گے وہ انہیں مزید نرم اور ملائمت پسند بنانے میں مدد دیں گے۔

کابل کا موجودہ امن کہیں سراب نہ ثابت ہو؟

جب تک تمام گرویوں کو اقتدار میں حصہ نہیں ملیگا امن دیرپا ثابت نہیں ہوگا

افغانستان کی تیزی سے بدلتی ہوئی سیاست دراصل ملک کی بدلی ہوئی جنگی صورت حال کی آئینہ دار ہے۔ یہ سب کچھ طالبان کے اچانک عروج و زوال کی وجہ سے ہوا۔ اسلامیات کے طالب علموں کی شروع کی جنگی فتوحات اور پھر اس کے بعد ان کی شکست نے کابل میں سردست امن قائم کردیا ہے لیکن یہ کتنا دیرپا ثابت ہوگا یہ کہنا مشکل ہے۔

جب نجیب اللہ کی کمیونسٹ حکومت کا زوال ہوا تو کابل کا زیادہ تر حصہ احمد شاہ مسعود اور ربانی کی جمعیت سے وابستہ مجاہدین کے قبضہ میں آگیا۔ ایسا دراصل ایک سابق فوجی جنرل رشید دوستم کے تعاون سے ممکن ہوسکا جو کمیونسٹوں سے ٹوٹ کر احمد شاہ مسعود سے مل گیا تھا۔ لیکن آج ان کا مخالف ہے۔ اس کے علاوہ اس وقت کمیونسٹ فوج کے اکثر اعلیٰ افسروں کا خیال تھا کہ حکمت یار کی بہ نسبت احمد شاہ مسعود ان کے ساتھ نسبتاً بہتر سلوک کریں گے۔ اس لئے انہوں نے بھی کابل پر مسعود کے مجاہدین کے قبضہ کے لئے راہ ہموار کی۔

لیکن اس کے باوجود حکمت یار کی حزب اسلامی کے مجاہدین کابل کے جنوبی حصے پر قابض ہوگئے۔ کمیونسٹوں کے زوال کے بعد اب ان مجاہدین کے درمیان اقتدار کی جنگ شروع ہوگئی۔ طالبان کے عروج تک گلبدین حکمت یار اور احمد شاہ مسعود کی فوجوں کے درمیان گاہے بہ گاہے گھمسان کی جنگ شروع ہوجاتی جس سے کابل کا امن درہم برہم ہوجاتا۔

چند ماہ قبل افغانستان کے منظر پر اچانک طالبان نمودار ہوئے۔ یہ کہنا اب بھی مشکل ہے کہ ان طالبان کے پیچھے کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔ ربانی۔ مسعود حکومت کا الزام ہے کہ پاکستان کی آئی ایس آئی نے انہیں کابل فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس میں صداقت بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ بے نظیر حکومت سے جنوبی کابل پر قابض حکمت یار تو ناخوش تھے ہی ربانی اور احمد شاہ مسعود بھی اس سے کوئی خاص قربت محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس صورت میں ممکن ہے بے نظیر حکومت نے طالبان کو برسر اقتدار لاکر کابل میں ایک ایسی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی ہو جو پورے طور پر ان کی اپنی وفادار ہو۔

> ممکن ہے بے نظیر حکومت پھر سے حکمت یار کا ساتھ دینا شروع کردے۔ اگر ایسا ہوتا ہے اور اس کے امکانات بہت زیادہ ہیں تو ایک بار پھر کابل حملوں کی زد میں آجائے گا اور اس کا امن درہم برہم ہوجائے گا

طالبان زیادہ تر پشتو نسل سے تعلق رکھتے ہیں جس سے حکمت یار کا بھی علاقہ ہے۔ مگر حکمت یار کے برعکس یہ لوگ پاکستان کی جماعت اسلامی کی بہ نسبت وہاں کی جمعیت علماء اسلام سے زیادہ قریب سمجھے جاتے ہیں جو موجودہ بے نظیر حکومت کی حامی ہے۔ طالبان نے چونکہ پاکستان سے افغانستان میں مداخلت شروع کی اس لئے فطری طور پر پہلے ان کا مقابلہ حکمت یار سے ہوا کیوں کہ پاکستان سے ملحق زیادہ تر علاقوں پر انہیں کا قبضہ تھا۔

حکمت یار کے وفادار مجاہدین دو وجوہ سے طالبان سے شکست کھاگئے۔ اول یہ کہ حکمت یار پشتونوں کو آپس میں لڑتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ کچھ یہی کیفیت ان کے فیلڈ کمانڈروں کی بھی تھی۔ دوم یہ کہ مسعود کی وفادار فوجوں نے بھی حکمت یار پر زبردست دباؤ ڈالنا شروع کردیا۔ حکمت یار کی فوجیں پاکستان کی حمایت یافتہ طالبان، جن سے وہ لڑنا بھی نہیں چاہتی تھیں اور مسعود کی فوجوں کا دباؤ ایک ساتھ برداشت نہ کرسکیں۔ چنانچہ انہیں کابل کے آس پاس سے ہٹنا پڑا۔

حکمت یار کو شکست، جیسا کہ اوپر کے تجزیے سے واضح ہوتا ہے، طالبان کی فوجی طاقت سے کم اور بعض دوسرے عوامل کی وجہ سے زیادہ ہوئی۔ لیکن طالبان کو اس سے اپنی طاقت کے بارے میں غلط فہمی ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے کابل پر قبضہ کے لئے چڑھائی کی تو پہلی بار انہیں سخت مقابلہ درپیش ہوا۔ مسعود کے پاس نہ صرف اپنے مجاہدین ہیں بلکہ سابق کمیونسٹوں کی اعلیٰ تربیت یافتہ فوج کی بھی قوت حاصل ہے۔ اس لئے بڑی آسانی سے انہوں نے خام تربیت یافتہ طالبان کو پے درپے شکستیں دیں اور انہیں کابل سے کافی دور ڈھکیل دیا۔ اس طالبان نے گویا احمد شاہ مسعود اور ربانی کو حکمت یار اور رشید دوستم کے مقابلے میں کافی طاقت دے دی۔

افغانستان میں بندوقوں کی حکومت کب تک

ربانی حکومت نے نئی طاقت پاکر بین الاقوامی سطح پر بھی ہاتھ پیر مارنا شروع کردیے۔ حال ہی میں پاکستان میں متعین امریکی سفیر نے کابل کا دورہ کیا ہے۔ چین اور روس کے وفود نے بھی وہاں کا دورہ کیا ہے۔ ہندوستان نے گذشتہ مئی میں اپنا سفارت خانہ دوبارہ کھول دیا ہے۔

لیکن ربانی کا نقصان یہ ہے کہ بے نظیر حکومت سے ان کے روابط کمزور ہوگئے ہیں اور وہ بھی ایک ایسے وقت جب بے نظیر کی حکومت کافی کمزور ہے اور آئی ایس آئی کے ان عناصر کا دباؤ قبول کرسکتی ہے جو حکمت یار کے حامی ہیں۔ ممکن ہے یہ عناصر حکمت یار، طالبان اور رشید دوستم کو متحد کرکے ربانی حکومت یا کابل پر نئی یلغار کروادیں

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

سری لنکا کے مسلمانوں کو ایل ٹی ٹی ای کی دھمکیاں

کہیں اس کے پس پردہ حکومت کی کوئی چال تو نہیں

سری لنکا کے مسلمان پھر خوف و ہراس میں گھر گئے ہیں۔ ایل ٹی ٹی ای کی جانب سے دی گئی دھمکی نے 1990 کی لرزہ خیز یاد تازہ کردی ہے جب ایک مسجد پر حملہ کرکے دو سو سے زائد نمازیوں کو بھون دیا گیا تھا اور 80 ہزار مسلمان اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ ایل ٹی ٹی ای نے اپنے لیٹر ہیڈ کے ساتھ شمال مشرقی علاقہ چالم کے مسلمانوں کو دھمکی آمیز خط جاری کرکے ان سے وہ علاقہ خالی کردینے کو کہا ہے۔ خط میں کہا گیا ہے کہ اگر انہوں نے یکم اگست تک اس پر عمل نہیں کیا تو انہیں جبراً نکال دیا جائے گا۔ ایک مہینہ پہلے بھی انہوں نے اسی قسم کی دھمکی دی تھی مگر بعد میں اس کی تردید کردی گئی تھی۔ سابقہ دھمکی آمیز خط میں یکم جولائی تک علاقہ خالی کردینے کو کہا گیا تھا۔ حالیہ خط میں برسر اقتدار جماعت پیپلز الائنس کے بیج کلوا اور امپارا اضلاع کے آرگنائزروں کو بھی حکومت سے استعفیٰ دے دینے کو کہا گیا ہے۔ بصورت دیگر ان کے ساتھ غداروں جیسا سلوک کرنے کی دھمکی دی گئی ہے۔ مذکورہ دونوں خطوط ایل ٹی ٹی ای کی سیاسی شاخ کے لیڈر کے دورانی کے دستخط سے جاری کئے گئے ہیں۔

قارئین کو معلوم ہوگا کہ گزشتہ کچھ دنوں سے ایل ٹی ٹی ای اور سرکاری فوج میں گھمسان کی لڑائی جاری ہے۔ پچھلے دنوں فوج ایل ٹی ٹی ای کے علاقے میں کافی اندر تک گھس گئی تھی جسے بعد میں خالی کردیا گیا۔ اس خون ریز جنگ میں دونوں جانب سے کافی جانی و مالی نقصان ہوا ہے۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ تصادم سے قبل مسلمانوں کے خلاف کوئی دھمکی سامنے نہیں آئی تھی لیکن تجزیوں میں اضافہ کے ساتھ ہی دھمکیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ دونوں دھمکیاں وزیر ٹیلی مواصلات مسٹر حزب اللہ کے حوالے سے سامنے آئی ہیں۔ مذکورہ دھمکی ایک سرکاری اخبار دی ڈیلی نیوز میں شائع ہوئی ہے۔ مسٹر حزب اللہ کا کہنا ہے کہ ہم اس سلسلے میں صدر چندریکا کمار تنگے سے ملاقات کر رہے ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ

پربھاکرن

چندریکا

اس کی تصدیق نہیں ہوسکی ہے کہ واقعی یہ ایل ٹی ٹی ای کی جانب سے آئی ہے۔ البتہ خط رواں تامل زبان میں جانب سے آیا ہوا ہے۔ جبکہ سابقہ خط ٹوٹی پھوٹی زبان میں ہاتھ سے تحریر کیا ہوا تھا۔ خط میں کہا گیا ہے کہ چالم تملوں کی مادر وطن کا حصہ ہے وہاں تاجر پیشہ مسلمانوں نے آکر زبردستی قبضہ کرلیا ہے۔ دریں اثنا ایک دوسری خبر میں کہا گیا ہے کہ ایل ٹی ٹی ای نے مسلمانوں کو دھمکی آمیز خط ارسال کرنے کی تردید کی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ یہ حکومت کی ایک چال ہے تاکہ نسلی اعتبار سے اقلیت مسلمانوں اور تملوں میں اختلاف پیدا کرکے سیاسی الو سیدھا کیا جاسکے۔ ممکن ہے کہ اس خبر میں صداقت ہو اور مذکورہ دونوں خطوط کے پیچھے حکومت کا ہی ہاتھ ہو۔ کیونکہ دونوں مواقع کی دھمکیاں ایک مسلم وزیر کے حوالے سے سامنے آئی ہیں۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ تملوں کے خلاف جنگ میں حکومت مسلمانوں کو بھی ملوث کرنا چاہتی ہو۔ کیونکہ ابھی تک وہاں کے مسلمان اس جنگ سے دور ہیں وہ نہ تو حکومت کی حمایت کرتے ہیں اور نہ ہی ایل ٹی ٹی ای کی۔ ممکن ہے کہ حکومت مسلمانوں کو بھی ساتھ لے کر اس جنگ کو مزید تیز کرنا چاہتی ہو، اور اس کے لئے اس کے نزدیک سب سے بہتر ترکیب یہی ہو کہ مسلمانوں کو ایل ٹی ٹی ای کے خلاف بھڑکایا جائے۔

> اگر اس دھمکی میں کوئی صداقت ہے تو حکومت کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے تحفظ کا پورا پورا بندوبست کرے اور حکومت خود کوئی چال چل رہی ہے تو اسے اس چال سے باز آجانا چاہئے۔

لیکن دوسری طرف 1990ء کے واقعات ایل ٹی ٹی ای کی مسلم دشمنی کی قلعی کھولتے ہیں۔ اس وقت شمالی جافنا، کاتھن کڈی اور دوسرے علاقوں میں مسلم بستیوں پر حملہ کرکے انہیں بھاگنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ اس وقت ایک مسجد پر بھی حملہ ہوا تھا جس میں دو سو مسلمان شہید ہوگئے تھے اور 80 ہزار اپنا وطن چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے تھے۔

بہرحال اس وقت سری لنکا کے مسلمانوں میں خوف و ہراس کی لہر پھیل گئی ہے۔ اگر اس دھمکی میں کوئی صداقت ہے تو حکومت کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے تحفظ کا پورا پورا بندوبست کرے اور اگر حکومت خود کوئی چال چل رہی ہے تو اسے اس چال سے باز آجانا چاہئے۔ کسی بھی فرقہ یا گروپ کی حمایت حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ اس میں خوف و ہراس کی لہر پیدا کی جائے۔ اگر حکومت مسلمانوں کے لئے کوئی بہتر کام کرتی ہے تو مسلمان خود اس حکومت کی حمایت کریں گے۔

اسرائیلی جیلوں میں فلسطینی قیدیوں کی بھوک ہڑتال

اسرائیل جھکنے پر مجبور

گذشتہ چند ہفتوں سے اسرائیلی جیلوں میں بند فلسطینیوں نے بھوک ہڑتال کر رکھی ہے۔ مطالبہ ظاہر ہے ان کی رہائی کا ہے۔ اس بھوک ہڑتال سے پی ایل او اتھارٹی اور اسرائیل دونوں ہی پریشان ہیں۔ اگرچہ اسرائیل نے کہا ہے کہ وہ دباؤ کی پالیسی کے خلاف ہے لیکن ہڑتالی قیدیوں کے عزم مصمم کو دیکھ کر انہیں اپنی پالیسی نرم کرنی پڑی ہے۔

اسرائیلی جیلوں میں کل 5 ہزار 3 سو فلسطینی قید ہیں۔ آغاز میں ان میں سے صرف 2 ہزار 5 سو نے بھوک ہڑتال میں حصہ لیا۔ لیکن بعد میں دوسرے قیدیوں نے بھی ریلے ہنگر اسٹرائک یعنی وقفے وقفے سے بھوک ہڑتال شروع کردی۔ ان سب کا ایک ہی مطالبہ ہے کہ تمام قیدیوں کو بغیر کسی شرط، پابندی اور امتیاز کے رہا کیا جائے۔

5 جولائی کو یاسر عرفات نے یہ اپیل کی کہ 25 جولائی کو اسرائیل اور پی ایل او کے درمیان مغربی کنارے میں محدود خود مختاری کے قیام اور انتخاب سے متعلق ایک معاہدہ ہوجانے گا اس لئے کم از کم اس تاریخ تک قیدی اپنی ہڑتال ملتوی کردیں۔ اس اپیل کے بعد یاسر عرفات کی الفتح سے متعلق 450 قیدیوں نے اپنی بھوک ہڑتال ختم کردی۔ لیکن اکثر نے بھوک ہڑتال جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ایک مختصر تعداد نے ہڑتال جاری رکھی لیکن وہ عرفات کی اپیل پر غور کرنے کے لئے بھی تیار تھی۔

واضح رہے کہ یہ ہڑتال 18 جون کو شروع ہوئی۔ اسے شروع کرنے والے بنیادی طور پر الفتح سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن 4 جولائی کو حبرون کی جیل میں قید تین سو حماس کے حامیوں نے بھی بھوک ہڑتال شروع کردی۔ انہوں نے یہ ہڑتال اپنے قائد شیخ احمد یاسین کی اتباع میں شروع کی۔ شیخ احمد یاسین ایک مفلوج، بزرگ، عمر رسیدہ قیدی ہیں۔ شیخ یاسین نے 28 جون کو کھانا پینا بند کردیا۔ حماس کے ہزاروں حامیوں کو جب جیلوں میں اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے بھی بھوک ہڑتال کردی۔ حماس نے اپنے رہنما کی بھوک ہڑتال پر ایک بیان جاری کرکے اسرائیل پر الزام لگایا کہ وہ ایک منصوبے کے تحت شیخ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ حماس نے یہ آگاہی بھی دی کہ اگر شیخ کو کچھ ہوتا ہے تو اس کی ذمہ داری اسرائیل پر ہوگی۔

> اپنے قیدی بھائیوں کی بھوک ہڑتال کی اطلاع پاکر عام فلسطینیوں نے جگہ جگہ مظاہرے کئے۔ مشرقی یروشلم میں ایسے ہی مظاہرین پر اسرائیلی پولیس کی فائرنگ سے 15 افراد زخمی ہوگئے۔ نابلوس میں ایسے ہی مظاہرین پر اسرائیلی فائرنگ سے تین افراد ہلاک اور 55 زخمی ہوگئے۔

اپنے قیدی بھائیوں کی بھوک ہڑتال کی اطلاع پاکر عام فلسطینیوں نے جگہ جگہ مظاہرے کئے۔ مشرقی یروشلم میں ایسے ہی مظاہرین پر اسرائیلی پولیس کی فائرنگ سے 15 افراد زخمی ہوگئے۔ 25 جون کو نابلوس میں ایسے ہی مظاہرین پر اسرائیلی فائرنگ سے تین افراد ہلاک اور 55 زخمی ہوگئے۔ اس کے بعد یاسر عرفات کی الفتح نے مزید مظاہروں کی اپیل کے ساتھ ایک دن کی علامتی جنرل اسٹرائیک بھی کی۔

یکم جولائی کو نابلوس کی جیل میں بند قیدیوں نے اعلان کیا کہ اسرائیلی فائرنگ سے ہلاک ہونے والے تین شہیدوں کے سوگ میں وہ اب اپنا یومیہ راشن بھی نہ لیں گے جس میں کھانا اور پانی شامل ہیں۔

صورت حال کو مزید بگڑنے سے روکنے کے لئے اسرائیل کے پولیس منسٹر موشے ساحل نے فلسطینی اتھارٹی کے وزیر منصوبہ سازی نبیل شاطر سے 30 جون کو ملاقات کی۔ پہلے تو اسرائیل نے کہا کہ وہ دباؤ کے تحت قیدیوں کی رہائی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ لیکن پھر اسے جھکنا پڑا۔

جولائی کے دوسرے ہفتہ میں اس نے کچھ قیدیوں کی مرحلہ وار رہائی کا ایک پروگرام جاری کردیا۔ اس اسرائیلی تجویز اور پروگرام کے مطابق آئندہ چند دنوں میں تین سے چار سو کے قریب قیدی چھوڑے جانے تھے۔ پھر 5 سو 25 جولائی کو رہا کئے جائیں گے بشرطیکہ اس دن مغربی کنارے پر محدود خود مختاری سے متعلق کوئی معاہدہ ہوجاتا ہے۔ اور پانچ سو قیدی 25 جولائی کو متوقع معاہدے کے مطابق نومبر میں ہونے والے انتخابات کے وقت رہا کئے جائیں گے۔ مجموعی طور پر اسرائیل نے پانچ ہزار سے زائد قیدیوں میں سے تقریباً 2 ہزار کو چھوڑنے کی تجویز پیش کی ہے جن میں وہ قیدی بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنی میعاد پوری کرلی ہے مگر پھر انہیں رہا نہیں کیا گیا ہے۔

اسرائیل کا کہنا ہے کہ بقیہ دوسرے قیدی، جنہیں 1993ء میں ہوئے اوسلو معاہدے کی مخالفت کرنے کے جرم میں گذشتہ دو سالوں میں گرفتار کیا گیا ہے اور جن کا تعلق حماس سے ہے یا وہ لوگ جنہوں نے کسی اسرائیلی کو جہنم رسید کیا ہے انہیں رہائی نہیں ملے گی۔

لیکن قیدیوں کے درمیان مختلف بنیادوں پر تمیز یا امتیاز ہی وہ مسئلہ ہے جسے ختم کرنے کے لئے فلسطینی احتجاج کر رہے ہیں۔ قیدیوں کی حمایت میں حال ہی میں قائم کی گئی ایک کمیٹی کے ایک ممبر کا کہنا ہے کہ "ہم قیدیوں کی رہائی کی رفتار اور پروگرام کے بارے میں تو نرم پالیسی اختیار کرسکتے ہیں لیکن ان کے درمیان اوسلو معاہدے کی مخالفت یا حمایت کی بنیاد پر تمیز کو برداشت نہیں کرسکتے"۔ اس کمیٹی کا مزید کہنا ہے کہ "ہم سب سے پہلے خواتین قیدیوں کی رہائی چاہتے ہیں۔ پھر بچوں اور بیمار قیدیوں کی اور آخر میں ان افراد کی رہائی چاہتے ہیں جنہیں انتظامی مصلحت کے پیش نظر قید کرلیا گیا ہے۔"

اسرائیلی جیلوں میں قید اپنے شوہروں، بھائیوں، بیٹیوں اور رشتے داروں کی رہائی کے لئے مظاہرہ کرتی فلسطینی خواتین

> "ہم سب سے پہلے خواتین قیدیوں کی رہائی چاہتے ہیں۔ پھر بچوں اور بیمار قیدیوں کی اور آخر میں ان افراد کی رہائی چاہتے ہیں جنہیں انتظامی مصلحت کے پیش نظر قید کرلیا گیا ہے۔"

کمیٹی نے برملا کہا کہ وہ اسرائیل کی الفتح سے متعلق قیدیوں کو رہا کرنے اور حماس کے متعلقین کو قید رکھنے کی پالیسی کے سخت مخالف ہیں اور اسے کسی بھی قیمت پر برداشت نہیں کرے گی۔

گولان کا خفیہ گمراہ فرقہ "دروز عرب" بھی شام کے اقتدار اعلیٰ کا خواہاں

1967ء کی جنگ میں اسرائیل نے گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ یہ علاقہ گھنی آبادیوں سے خالی ہے۔ لیکن اس پہاڑی کے دامن میں چند گاؤں ہیں جو عرب آبادی پر مشتمل ہیں۔ انہیں میں سے چار گاؤں دروز عرب کے ہیں۔ دروز ایک خفیہ گمراہ فرقہ ہیں۔ اگرچہ ان کی تعلیمات وعقائد کے بارے میں لوگوں کو کم ہی علم ہے لیکن یہ شیعہ مسلمانوں سے قریب ہیں۔ گولان کی پہاڑیوں کے دروز عربوں نے اگرچہ اسرائیلی قبضہ کے دوران اپنی محنت سے کافی دولت کمائی ہے اور نسبتاً خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے وطن شام کے ہمیشہ شیدائی رہے ہیں۔

> گولان کے علاقہ میں رہنے والے دروز عربوں کی تعداد تقریباً 18 ہزار ہے۔ یہ ایک خفیہ فرقہ ہے جو لبنان، شام اور اسرائیل کی پہاڑیوں میں پھیلا ہوا ہے۔ گولانی دروز کافی محنتی ہیں اور برف پوش کوہ حرمان کے دامن میں آباد چار گاؤں میں رہتے ہیں۔

دروز عربوں کا ایک گاؤں مجدالشمس ہے جس کے قریب ایک پہاڑی ہے جسے مقامی آبادی ایک انوکھے مقصد کے لئے استعمال کرتی ہے۔ ہفتے میں ایک بار لوگ یہاں آکر میگا فون کی مدد سے شامی علاقے میں رہنے والے اپنے اعزا و اقارب سے گفتگو کرتے اور خیر خیریت دریافت کرتے ہیں۔ شاید یہ سب بہت جلد تبدیل ہوجائے کیونکہ ممکن ہے شام اور اسرائیل کے درمیان جلد ہی کوئی معاہدہ ہوجائے۔ اسرائیل گولان کا زیادہ تر علاقہ واپس کرنے کے لئے تیار ہے لیکن شام مکمل انخلاء کا مطالبہ کر رہا ہے۔ دونوں فریق بارہا مذاکرات کرچکے ہیں۔ اگرچہ ابھی کسی حتمی امن معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے ہیں پھر بھی دروز عربوں کو امید ہوچلی ہے کہ جلد ہی وہ براہ راست اپنے رشتہ داروں سے مل سکیں گے۔

لیکن بہت سے دروز عربوں کو اب بھی شک ہے کہ اسرائیل کبھی گولان کی پہاڑیاں خالی کرسکتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ چونکہ اس مسئلے پر پہلے اسرائیل میں ریفرنڈم ہوگا اس لئے یہ پہاڑیاں ابھی شام کو ملنے سے رہیں۔ کیونکہ ان کے اندیشے کے مطابق اس ریفرنڈم میں امن کے حامی شمعون پیریز اور اسحاق رابن کو شکست ہوسکتی ہے۔

دروز عربوں کو جب یہ یاد دلایا جاتا ہے کہ شام ایک نسبتاً غریب ملک ہے جہاں انہیں یہ عیش و آرام نصیب نہ ہوگا تو ان کا جواب ہوتا ہے، ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ لیکن کم از کم ہم اپنے رشتہ داروں اور ہم وطنوں کے ساتھ تو ہوں گے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جتنی محنت ہم یہاں اسرائیل میں کرتے ہیں، اگر اتنی ہی محنت شام میں کریں گے تو وہاں بھی آرام سے رہیں گے۔

گولان کے علاقے میں رہنے والے دروز عربوں کی تعداد تقریباً 18 ہزار ہے۔ یہ ایک خفیہ فرقہ ہے جو لبنان، شام اور اسرائیل کی پہاڑیوں میں پھیلا ہوا ہے۔ گولانی دروز کافی محنتی ہیں اور برف پوش کوہ حرمان کے دامن میں آباد چار گاؤں میں رہتے ہیں۔ یہ علاقہ سیب کی کھیتی کے لئے کافی موزوں ہے اور اس سے دروز عربوں کو معاشی طور پر کافی فائدہ بھی ہوا ہے۔ دروز عرب انتہائی قوم پرست ہیں۔ وہ اکثر عثمانی ترکوں اور فرانسیسی استعمار کے خلاف اپنی جدوجہد کا فخریہ تذکرہ کرتے ہیں۔ جب دسمبر 1981ء میں اسرائیلی پارلیامنٹ نے اس علاقے پر اسرائیلی قوانین نافذ کئے تو دروز عربوں نے احتجاج کے طور پر چھ ماہ کے لئے ہڑتال کی تھی۔ انہوں نے اسرائیلی شہریت قبول نہیں کی۔

> اسرائیل میں ہمیشہ انہیں نوع بہ نوع امتیازات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہودی انہیں نوکری دینے سے کتراتے اور اسرائیلی افسران توہین آمیز انداز میں اکثر ان کے آئیڈنٹیٹی کارڈ چیک کرتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا دروز عربوں کو سیب کی کھیتی سے کافی دولت نصیب ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اسرائیل میں کام کرکے بھی انہوں نے اچھا خاصا پیسہ بنایا ہے۔ لیکن انہیں شکایت ہے کہ اسرائیل میں ہمیشہ انہیں نوع بہ نوع امتیازات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہودی انہیں نوکری دینے سے کتراتے اور اسرائیلی افسران توہین آمیز انداز میں اکثر ان کے آئیڈنٹیٹی کارڈ چیک کرتے ہیں۔ دروز عربوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسرائیل کی خفیہ پولیس ان کی سرگرمیوں پر سخت نظر رکھتی ہے۔ اکثر پرامن مظاہرین پر بہیمانہ انداز میں مظالم ڈھاتی اور شام کے حامی قوم پرستوں کو سیاسی سرگرمیوں کے جرم میں جیل میں بند کردیتی ہے۔ غالباً ان مظالم اور توہین آمیز اسرائیلی رویے نے بھی ان دروز عربوں کو ابھی تک شام سے جوڑے رکھا ہے۔

میرا شوہر قرآن ہے اس کی اولاد کو قتل کرو گے تو اس کے غضب سے نہیں بچ سکو گے

پاکستان کے وڈیرے اور نام نہاد پیر وراثت سے محروم رکھنے کے لئے اپنی بیٹیوں کی شادی قرآن سے کر دیتے ہیں

پاکستان سے عبدالتواب شیخ کا مکتوب

انسان جب عبدالدنیا بن جائے تو وہ شرف انسانیت سے محروم ہو کر حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اور ایسے کام کرنے پر تل جاتا ہے کہ انسانیت بھی شرما کر رہ جائے۔ سندھ کے بعض بڑے زمیندار اور گدی نشیں جو زمین کو اپنا سب کچھ اور جھوٹی شان کو روحانیت سمجھتے ہیں وہ اپنی جاگیر اور جھوٹی شان کو بچانے اور برقرار رکھنے کے لئے اپنی لخت جگر تک کو ظلم کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ اول تو دائیوں، طبی معائنہ، قیافہ شناسوں کی معلومات کے ذریعے لڑکیوں کی پیدائش روکنے کی بھرپور سعی کی جاتی ہے تاکہ لڑکیاں پیدا ہو کر کل جاگیر کا حصہ دوسرے کے پاس نہ لے جائیں یا گدی نشین کی جھوٹی آن کسی کو داماد بنانے سے متاثر نہ ہو۔

ان بڑے زمینداروں اور نام نہاد روحانی گدی کے حامل پیروں کی زندگی پر نظر دوڑائیں تو ان کی شہوت رانیوں اور خرمستیوں کے سیاہ باب ہر سو بکھرے نظر آئیں گے۔ یہ اپنے شرعی حق سے کہیں زیادہ وصول کرتے ہیں اور اپنی بیٹیوں کو ان کا شرعی حق دینے کو بھی تیار نہیں ہوتے ان کی بیٹیاں والدین کے گھر کی دہلیز پر جوانی خاک میں ملاتی اور اپنے خاندان کی عزت کو بچاتی ہوئی قبر کی راہ تکتی نظر آئیں گی۔

حیرت کن بات ہے کہ عورتوں کی شادی کے شرعی حق کو پامال کرنے کے لئے بھی قرآن جیسی مقدس کتاب کو استعمال کیا جاتا ہے۔ بیٹی جب جوان ہوتی ہے تو وڈیرے اور نام نہاد پیر ایک رسم ادا کرتے ہیں جو "حق بخشوانے کی رسم" کہلاتی ہے۔

> چونکہ لڑکی قرآن کو اپنا حق بخش چکی ہوتی ہے اس طرح اس کی شادی کسی مرد سے حرام قرار دے دی جاتی ہے اور اس کو قرآن کی مار کا خوف دلایا جاتا ہے کہ اگر تو نے شادی کا مطالبہ بھی کیا تو قرآن کی پھٹکار پڑے گی اور قرآن تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کو بگاڑ دے گا۔

ہوتا یوں ہے کہ لڑکی کے بالغ ہونے پر یہ ظالم اپنی برادری کے چیدہ چیدہ افراد کو جمع کر کے انہیں اطلاع دیتا ہے کہ اس کی فلاں لڑکی اپنے نکاح کا حق قرآن سے نکاح پر فلاں روز اس کو بخشے گی۔ مقررہ تاریخ اور وقت پر لڑکی کو خوب بار سنگھار کر کے سرخ عروسی جوڑا پہنایا جاتا ہے ہاتھوں پر مہندی لگائی جاتی ہے۔ ڈھولک پر گیت گائے جاتے ہیں، لڑکی کو گھونگھٹ نکال کر، گردن جھکا کر بوڑھیوں کے جلو اور سہیلیوں کے جھرمٹ میں بٹھایا جاتا ہے۔ اس کے برابر میں ریشمی جزدان میں سجا ہوا قرآن رحل پر رکھا جاتا ہے، عود اور کافور سلگایا جاتا ہے، درباری ملا والدین کی موجودگی میں چند الٹے سیدھے جملے پڑھتا ہے، اور بڑی بوڑھیاں قرآن اٹھا کر دلہن کی جھولی میں رکھ دیتی ہیں۔ لڑکی قرآن کو اٹھا کر ہاتھ میں لیتی ہے اور اس کو بوسہ دیتی ہے۔ پھر بڑی بوڑھیاں دلہن سے کہتی ہیں کہ وہ اقرار کرے کہ اس نے اپنا حق، قرآن کو بخش دیا اور اس طرح اکثر بزور یہ اقرار کرایا جاتا ہے۔ لوگ اٹھ کر ظالم وڈیرے اور مظلوم دلہن کو مبارکباد دیتے ہیں، شور و غل بپا ہوتا ہے۔ آنے والوں کی تواضع کی جاتی ہے۔ اب چونکہ لڑکی قرآن کو اپنا حق بخش چکی ہوتی ہے اس طرح اس کی شادی کسی مرد سے حرام قرار دے دی جاتی ہے اور اس کو قرآن کی مار کا خوف دلایا جاتا ہے کہ اگر تو نے شادی کا مطالبہ بھی کیا تو قرآن کی پھٹکار پڑے گی اور قرآن تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کو بگاڑ دے گا۔ قرآن سے شادی اور اپنے شادی کے حق سے دستبرداری کے بعد یہ لڑکی "بی بی" بن جاتی ہے اور روحانیت کے درجہ پر فائز ہو جاتی ہے۔ گاؤں کی عورتیں دم کرانے کے لئے اپنے بچوں کو اس کے پاس لانے لگتی ہیں اور نذرانہ اس کے قدموں میں نچھاور کرتی ہیں، اس طرح وڈیرے اور نام نہاد گدی نشین کی جان وراثت کا حق دینے سے چھوٹ جاتی ہے اور جھوٹی آن برقرار رہتی ہے۔ یہ "بی بی" ہمیشہ سفید لباس پہنتی ہے جو اس کے ارمانوں کا کفن بن کر جزو بدن ہو جاتا ہے۔ یہ زندہ درگور لڑکیاں جب جذبات سے مغلوب ہو کر ہسٹیریا کی مریضہ بن جاتی ہیں تو اس کو روحانیت میں ترقی سے تعبیر دی جاتی ہے۔ سندھ کے بڑے بڑے زمینداروں کی بڑی بڑی حویلیوں میں اور پیر صاحبان کی گدیوں میں چند خوف خدا کے حامل اور انسانیت کی رمق رکھنے والوں کے علاوہ بیشتر حویلیاں ان زندہ درگور بیٹیوں کے ارمانوں کی قبریں نظر آئیں گی۔

اس ظالمانہ رسم سے جہاں بے شمار لڑکیاں چلتی پھرتی لاشیں بن جاتی ہیں وہیں بعض اوقات اس ناانصافی کے ردعمل میں برائیاں بھی جنم لیتی ہیں۔ اس قرآن کی شادی کے حوالے سے ایک ایسا واقعہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ ایک بدبخت نے اپنی بیٹی کی ن شادی قرآن سے کرادی۔ بیٹی قرآن سے نکاح پر حق سے دستبرداری کے وعدہ کا پاس نہ رکھ سکی اور اس کے اولاد ہو گئی تو باپ اور بھائی اس کے قتل کے لئے لپکے تو اس لڑکی نے یہ کہہ کر ان کو لاجواب کر دیا کہ "تم نے میرا نکاح قرآن سے کروایا۔ میرا شوہر قرآن ہے، اس کی اولاد کو قتل کرو گے تو قرآن کے غیظ و غضب سے نہیں بچ سکو گے"۔ باپ اور بھائی قرآن کی مار سے خوف زدہ ہو گئے، انہوں نے سیانوں سے مشورہ کیا،

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

تشدد اور بدن کی نمائش سے پاک خواتین کے مرکزی کردار والی

ایرانی فلمیں مغرب میں اتنی مقبول کیوں ہیں

حال ہی میں ایک بین الاقوامی فلمی میلے میں ایک ایرانی فلم "سفید غبارہ" نے تقریباً تمام ہی شائقین کا دل موہ لیا تھا۔ ایک سال قبل لندن کے فلم فسٹیول میں بھی ایک دوسری ایرانی فلم "زینت" نے کافی دھوم مچائی تھی۔ "سفید غبارہ" کے ڈائرکٹر جعفر پناہی ہیں اور فلم کا مرکزی مضمون ایک ایسی معصوم سی بچی ہے جس نے وہ جیبی پیسہ کھو دیا ہے جو اس کی ماں نے اسے کچھ خرید کر کھانے کے لئے دیا تھا۔ لندن فلم فسٹیول میں پیش کی گئی ایرانی فلم "زینت" کو ابراہیم مختاری نے ڈائرکٹ کیا ہے اور اس کا مرکزی مضمون ایک ایسی عورت ہے جو ساحل سمندر پر واقع ایک چھوٹے سے طبی سنٹر پر کام کرتی ہے وہ اپنی سروس کو چھوڑ کر محض اپنے شوہر کی خدمت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

"زینت" سے بھی زیادہ لبرل فلم مشہور ڈائرکٹر داریوش مہرجوئی کی "سارہ" ہے۔ اس میں بھی عورت کی انفرادیت اور آزادی پر زور دیا گیا ہے۔

بعض مغربی ناظرین نے ان دونوں فلموں کو دیکھنے کے بعد یہ تاثر دیا ہے کہ ایران میں آزادی نسواں کی کوئی تحریک پھوٹنے والی ہے۔ دراصل وہ ایسا اس لئے سوچتے ہیں کیونکہ ان کے یہاں غلط طور پر یہ تصور عام ہو گیا ہے کہ اسلام اور خصوصاً ایران میں عورتوں کے حقوق سلب کر لینا مذہبی فریضہ ہے۔ دونوں ہی فلمیں "زینت" اور "سارہ" دراصل عورت کی انفرادیت اور خاندان میں اس کے مقام سے بحث کرتی ہیں۔ ایران میں انقلاب کے بعد خاص طور سے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ عورتوں کو اسلامی حدود کے اندر رہ کر ملکی معیشت کے فروغ میں حصہ لینا چاہئے۔ چونکہ اہل مغرب اسلام کے اس تصور نسواں سے ناواقف ہیں اس لئے مذکورہ فلموں میں عورت کے متوازن کردار کو انہوں نے ایرانی خواتین کی مغرب کی طرف پیش قدمی سے تعبیر کرنا شروع کر دیا۔

حال ہی میں ایران میں عورتوں اور بچوں پر بہت اچھی تعمیری فلمیں بنائی گئی ہیں۔ ان فلموں میں اسلام کی کھلے عام تبلیغ نہیں کی جاتی جس کی مغربی ناظرین کو امید تھی۔ دراصل کرداروں کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ اس سے خود بخود اسلامی اقدار و اخلاق لوگوں کے سامنے ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

> چونکہ اہل مغرب اسلام کے اس تصور نسواں سے ناواقف ہیں اس لئے مذکورہ فلموں میں عورت کے متوازن کردار کو انہوں نے ایرانی خواتین کی مغرب کی طرف پیش قدمی سے تعبیر کرنا شروع کر دیا۔

تشدد اور عورتوں کے بدن کی نمائش جو مغربی اور ہندوستانی فلموں کا خاصہ ہیں، ایرانی فلموں میں ناپید ہیں لیکن اس کے باوجود وہ بہت کامیاب ہیں۔

محسن مخمل باف ایران کے ایک مشہور فلم ڈائرکٹر ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں ایک فلم "محبت کا زمانہ" بنائی ہے جس میں انقلاب کے بعد پہلی بار زنا سے بحث کی گئی ہے۔ اس فلم میں محسن نے اس موضوع کو اسلامی حجاب کا پورا خیال کر کے جس کمال فن سے موضوع کا حق ادا کیا ہے اس سے بڑے بڑے مغربی ناقدین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مگر محسن کی سب سے زیادہ مقبول فلم MarriageOfTheBlessed جو آٹھ سالہ ایران۔ عراق جنگ کی ہولناکی کو اجاگر کرتی ہے۔ اس فلم میں محسن نے جنگ کے مقصد سے بحث کرنے کے بجائے کمال خوبصورتی سے یہ دکھایا ہے کہ اس سے انسان کی نفسیات اور شخصیت پر کیا اور کیسے خطرناک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

بہرام بزائی کی "باشو اجنبی" بھی ایک جنگ مخالف فلم ہے جس میں ایک ایسے سپاہی کی داستان دکھائی گئی ہے جو اپنی ماں کو بمباری سے جلتے دیکھ کر محاذ جنگ سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور جسے سماج بزدل اور غدار کہنے کے بجائے بتدریج قبول کر لیتا ہے۔

حال میں بننے والی تقریباً تمام ایرانی فلموں میں انصاف اور اخلاق پر کافی زور دیا گیا ہے۔ ان دونوں قدروں کی بھونڈے انداز میں تبلیغ نہیں کی گئی ہے بلکہ بڑے خوبصورت اور فنکارانہ انداز میں انہیں پیش کیا گیا ہے۔ دیکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ یہ دو قدریں یعنی انصاف و اخلاق جو مغربی سماج سے ناپید ہو چکی ہیں، انسانی زندگی میں کتنی اہمیت رکھتی ہیں۔

ایران میں نوجوانوں اور بچوں کے ذہنی ارتقاء کے لئے باقاعدہ ایک ادارہ قائم ہے جو اس مقصد کے لئے فلمیں بنانے کے لئے فیاضانہ مدد کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں اور نوخیز نوجوان ذہنوں کے لئے ایران میں بے شمار فلمیں بن چکی ہیں اور ان گنت بن رہی ہیں۔ ایران دراصل فلم کے ذریعے اپنے نوجوانوں اور بچوں کو اس انقلاب اور اس کے مقاصد سے آگاہ کر رہا ہے جو آیت اللہ خمینی نے 1979ء میں برپا کیا تھا۔ مگر ان فلموں میں خشک تبلیغ نہیں پائی جاتی بلکہ فنی اعتبار سے بھی یہ عالمی معیار پر پوری اترتی ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو مغرب میں ایرانی فلموں کی پذیرائی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

بوسنیا کو کوچ کیجئے

یوروپ کے عین قلب میں واحد مسلم ریاست بوسنیا کا وجود اب سخت خطرے سے دوچار ہے۔ گذشتہ چند دنوں کے دلدوز واقعات سے اس بات کا واضح اشارہ ملنے لگا ہے گویا بوسنیا کا چراغ اب گل ہونے کو ہے۔ ہمیں اس صورت حال کو ہر قیمت پر بدل ڈالنا ہے۔

معصوم بچوں اور بے بس عورتوں کی چیخ و پکار سے بوسنیا کی فضا گونج رہی ہے۔ آہوں اور کراہوں کے درمیان کبھی کسی مجاہد یا مجاہدہ کے نعرہ تکبیر سے کچھ حوصلہ ملتا ہے اور بس۔ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ دنیا کے مختلف ملکوں سے مسلمان اپنے دینی بھائی بہنوں کی مدد کے لئے بوسنیا پہنچ رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ آپ اب تک اپنے معمول کی زندگی میں مصروف ہیں۔ کیا آپ کے دل اتنے سخت ہیں کہ بے بس عورتوں اور معصوم بچوں کی چیخ و پکار سے اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا؟ پھر آخر کیا بات ہے کہ بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں پر قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہے۔ حاملین شریعت اور علماء و قائدین کی زبانیں خاموش کیوں ہیں؟ کیا وہ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے ہیں کہ مسلمان ایک بین الاقوامی ملت ہیں اور یہ کہ سارے جغرافیائی حدود سے آزاد ہو کر ایک دوسرے کی باہمی مدد ان کا دینی فریضہ ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے "اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں ان مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا حامی پیدا کر اور مددگار فراہم کر دے"۔ سورہ النساء

ہندوستانی مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ اپنے دینی بھائی بہنوں کی مدد کے لئے بوسنیا پہنچیں۔

مظلوم مسلم خواتین جو کمزور پا کر دبا لی گئی ہیں اور معصوم بچے جو سربوں کی جارحیت سے بلبلا رہے ہیں آپ کی راہیں تک رہے ہیں۔

دنیا بھر کے نوجوان مسلم بھائی بہن جو موسم کے سرد و گرم کو جھیلنے کا یارا رکھتے ہوں اور جو اپنے طور پر بوسنیا کے لئے سفر کے انتظامات کر سکتے ہوں انہیں جلد از جلد کوچ کی تیاری شروع کر دینی چاہئے۔ بزرگوں پر لازم ہے کہ وہ باحوصلہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو مالی اور اخلاقی مدد فراہم کریں۔ فی زمانہ سفر کی نوعیت بدل جانے اور بوسنیا میں کاموں کی مختلف نوعیت کے پیش نظر ہم نے باحوصلہ خواتین کو بھی شرکت کی اجازت دے دی ہے۔ بالخصوص ایک ایسی صورت حال میں جب معاملہ امت کی زندگی اور موت کا ہو، جب اسلام کے مستقبل کے بارے میں سوالیہ نشان پیدا ہونے لگا ہو، جب شریعت کا علم رکھنے والے روپوش ہو چکے ہوں اور جب مردوں کی دفاعی قوت اسلام کے دفاع کے لئے کافی نہ رہی ہو ایسی صورت میں خواتین کو شرکت سے نہیں روکا جا سکتا۔ کہ جب اسلام ہی نہ ہو گا تو مسلم خواتین یا بے حوصلہ مسلم مرد زندہ رہ کر ہی کیا کریں گے؟

بوسنیائی مسلمانوں کی مدد کو پہنچنا صرف ہماری اسلامی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ ہمارا جمہوری حق بھی ہے۔ مسلمان تو کجا غیر مسلم بھی محض انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر بوسنیائی مسلمانوں کی مدد کے لئے آگے آ سکتے ہیں۔ پھر آپ تو بھلا مسلمان ہیں آپ اس راہ پر چل کر اللہ کے ان قریب ترین لاڈلوں میں شامل ہو جاتے ہیں جن کے لئے اللہ کا بہترین وعدہ ہے۔

بہتر یہ ہے کہ آپ چھوٹے چھوٹے گروپ کی شکل میں کوچ کریں۔

بوسنیا کی جس پڑوسی ریاست کا آپ بہ آسانی ویزا حاصل کر سکیں وہاں پہنچ جائیں البتہ اس بات کی کوشش کریں کہ ہالینڈ، فرانس اور برطانیہ میں سے کسی ایک ملک کا ویزا بھی آپ کے پاس ہو۔

یوروپ میں داخلے کے بعد ملی پارلیامنٹ نے آپ کے لئے ایک بین الاقوامی ہلپ لائن کا انتظام کر رکھا ہے۔ جہاں سے آپ کو کوئی خدمت تفویض کر دی جائے گی۔

اندرون ملک ملی پارلیامنٹ کا دفتر شب و روز آپ کی رہنمائی کے لئے تیار ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ بہترین مددگار اور رہنمائی فرمانے والا ہے۔

International Help Line: +44-181-8012244

National Help Line: (011) 6827018 / (0571) 400182

والسلام
آپ کا بھائی
راشد شاذ

عرفات کی اہلیہ صحی تاویل کہتی ہیں کہ

پی ایل او کے اعلی افسران مجھے گھر کی چہار دیواری میں مقید کر دینا چاہتے ہیں

صحی تاویل عرفات کی کتاب "طفل فلسطین" جولائی کے اواخر میں زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آنے والی ہے۔ اس کتاب کا پہلے ہی سے کافی چرچا ہے۔ ویسے بھی آج کل ناشرین مشہور شخصیات سے کتابیں اسی مقصد سے لکھواتے ہیں کہ اخبارات کے ذریعہ اس کا خوب شہرہ ہوگا جس سے کتاب کی فروخت توقع سے زیادہ تعداد میں ہوگی۔ صحی تاویل کی کتاب کے ساتھ بھی شاید ایسا ہی معاملہ ہو۔

کتاب ابھی منظر عام پر نہیں آئی ہے لیکن دنیا کے بڑے بڑے اخبار اس پر ابھی سے تبصرے شائع کر رہے ہیں۔ مارکٹنگ کا یہ انداز برسوں سے کافی کامیاب ہے۔ اخباروں میں شائع ہونے والے تبصروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحی عرفات اپنے شوہر کے بعض قریبی دوستوں اور پی ایل او کے بعض اعلی عہدیداروں سے کافی ناراض ہیں۔ ان کا الزام ہے کہ یہ لوگ انہیں گھر کی چہار دیواری میں بند رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اور کوئی نمایاں خدمت انجام نہ دے سکیں۔ صحی کے لئے خود کو گھر کی چہار دیواری میں بند کرلینا مشکل ہے۔ ان کے والدین کافی دولت مند اور ان کی ماں آزادی نسواں کی علمبردار تھیں۔ خود صحی کی تعلیم و تربیت بھی ایک آزاد خیال خاتون کے طور پر ہی ہوئی ہے

صحی یاسر عرفات سے کم از کم تیس سال چھوٹی ہیں۔ شادی سے قبل وہ عرفات کی پرسنل سکریٹری تھیں۔ فروری 1992ء میں عرفات نے یہ انکشاف کرکے سب کو حیرت میں ڈال دیا کہ انہوں نے خفیہ طریقے سے صحی تاویل سے شادی کرلی ہے۔ اس شادی پر بہتوں نے ناک بھوں چڑھائی۔ کتنوں کا کہنا تھا کہ اب عرفات کے فیصلوں پر یہ خاتون اثرانداز ہوگی۔ بعض تو کھل کر الزام لگاتے ہیں کہ اسرائیل سے سودے بازی کرانے میں صحی تاویل کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ خود صحی بھی کچھ اس انداز سے رہتی اور کام کرتی ہیں جس سے ان لوگوں کو فطری طور پر شکایت ہوگی جو مدت دراز سے عرفات کے دست و بازو رہے ہیں۔ بہت زیادہ بولنے کی عادی ہونے کی وجہ سے صحی اکثر معاملات میں دخل در معقولات کی بھی مرتکب ہوتی رہتی ہیں جس پر سینیئر افسروں کی ناراضگی بالکل فطری امر ہے۔ مگر یہی بات صحی کو ناگوار گزری ہے۔ غالباً وہ یہ چاہتی ہیں کہ عرفات کی طرح ان کے افسران بھی ان کی زلف گرہ گیر کے اسیر بن کر رہیں۔

پی ایل او کے افسران پر صحی کا الزام ہے کہ وہ انہیں محض اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ وہ خاتون ہیں۔ "طفل فلسطین" میں ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے۔ "میں یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ مجھے حقارت سے دیکھا جائے۔ میرا احساس ہے کہ ان کے (عرفات) بہترین دوست مجھے حبس میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں"۔

صحی نے کتاب میں یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ جب اپریل 1992ء میں عرفات کا جہاز لیبیا کے صحرا میں حادثے کا شکار ہوگیا تھا تو وہ تیونس میں اپنے اپارٹمنٹ میں 16 گھنٹے تک تنہا پڑی رہیں اور کسی نے ان کی خبر نہ لی۔ عرفات کے ملنے کے بعد ہی پی ایل او کے افسران ان سے ملنے آئے۔ لیکن صحی کا یہ اعتراض بے معنی ہی نہیں بلکہ ان کی شک کرنے والی طبیعت کا غماز بھی ہے۔ ممکن ہے پی ایل او افسران نے بغیر تصدیق کے انہیں کوئی خبر دینے سے اعراض کیا ہو۔ مگر شاید صحی سے ایسی خوش گمانی کی توقع عبث ہے۔ ان کا تو الزام یہ ہے:

"میں نے محسوس کیا کہ مجھے نظرانداز کرکے چھوڑ دیا گیا جیسے میں واقعی بیوہ ہوچکی ہوں۔ میرے پاس کوئی نہ تھا۔ کسی کا کوئی ٹیلی فون بھی نہ آیا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت تھی یا مجھے کوئی تسلی دیتا"۔

صحی کا یہ الزام بھی ہے کہ پی ایل او افسران نے عرفات پر دباؤ ڈال کر انہیں وہائٹ ہاؤس کے لان پر منعقد ہونے والی اس تقریب میں شرکت سے روک دیا تھا جس میں پی ایل او اور اسرائیل کے درمیان "اصولوں کے معاہدے" پر دستخط ہونے تھے۔
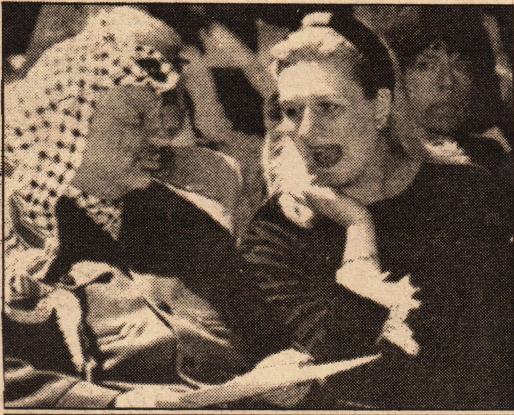
صحی تاویل اپنے شوہر یاسر عرفات کے ہمراہ

صحی عرفات نے یہ کتاب جیرارڈ سیگ کے تعاون سے تحریر کی ہے جو فرنچ ٹیلی ویژن سے وابستہ ہیں اور مدت دراز سے مغربی ایشیا میں اس کے نمائندے ہیں۔ 235 صفحات پر مشتمل اس کتاب میں صحی نے نابلوس میں اپنے بچپنے سے لے کر اپنے متوقع بچے کی پیدائش تک کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ انہوں نے عرفات سے اپنی محبت اور شادی پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ عرفات کو مخاطب کرکے کہتی ہیں کہ "آپ کے آس پاس رہنے والے تمام ہی افراد، مرد و خواتین، آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔ میرے سامنے دونوں راستے کھلے تھے یعنی یا تو ہمیشہ کے لئے خاموش رہوں یا اپنے خیالات کا اظہار کردوں"۔ ظاہر ہے باتونی صحی نے فطرتاً دوسرا راستہ اختیار کیا۔ کتاب کے سرورق پر ان کی ایک مسکراتی ہوئی تصویر ہے جو ان کی آزاد پسند طبیعت کی غماز نظر آتی ہے۔ صحی کو اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ہے کہ ان کے مغربی خیالات اسلامی سماج سے مطابقت نہیں رکھتے۔ یوں تو انہوں نے عرفات سے شادی کے لئے برائے نام اسلام قبول کرلیا تھا لیکن آج صحی کی زندگی میں اسلامی طرز فکر و عمل کا کہیں دور تک کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔

صحی کو اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے کہ ان کے مغربی خیالات اسلامی سماج سے مطابقت نہیں رکھتے۔ یوں تو انہوں نے عرفات سے شادی کے لئے برائے نام اسلام قبول کرلیا تھا لیکن آج صحی کی زندگی میں اسلامی طرز فکر و عمل کا کہیں دور تک کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔

پی ایل او کے افسران پر صحی کا الزام ہے کہ وہ انہیں محض اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ وہ خاتون ہیں۔ "طفل فلسطین" میں ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے۔ "میں یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ مجھے حقارت سے دیکھا جائے۔ میرا احساس ہے کہ ان کے (عرفات) بہترین دوست مجھے حبس میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں"۔

اسرائیل ہندوستان کو ہتھیار فروخت کرنے کے لئے بے تاب ہے

حال ہی میں ہندوستان کی وزارت دفاع کے سکریٹری کے۔ اے۔ نمبیار ایک اعلی سطحی ٹیم کے ساتھ اسرائیل کے دورے پر گئے تھے جہاں انہوں نے اپنے ہم پلہ اسرائیلی افسروں سے دونوں ملکوں کے درمیان دفاعی تعاون سے متعلق تفصیلی مذاکرات کئے۔ اس دورے کے دوران اسرائیل نے ہندوستان کے ہاتھوں اپنے بنائے ہوئے ہتھیاروں کو بیچنے کی پیش کش کی جن میں سرفہرست ٹینک مشین میزائل HEAT ہے۔ اس میزائل کے علاوہ اسرائیل دوسرے ہتھیار بھی ہندوستان کو بیچنے کا خواہشمند ہے۔ مثلاً آرمرڈ گاڑیاں، HEAT کے علاوہ بعض دوسرے میزائل اور راڈار سسٹم وغیرہ۔ اسرائیلی فضائیہ کے پاس دشمن کے مواصلاتی نظام کو جام کرنے والا سسٹم بھی ہے جسے الیکٹرانک کاؤنٹرنگ اینڈ کاؤنٹر میزر کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرا دفاعی فضائی نظام آئی ایف ایف ہے۔ یہ دونوں دفاعی نظام بھی اسرائیل ہندوستان کو فروخت کرنے کا خواہش مند ہے۔

لیکن اطلاعات کے مطابق خود ہندوستانی ٹیم نے ابھی تک صرف کچھ خاص قسم کے گولہ بارود اور آر پی وی ایس میں دلچسپی ظاہر کی ہے۔ یہ دلچسپی ترجیحی بنیاد پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے ہتھیار بھی اسرائیل سے خریدے جاسکتے ہیں۔ دراصل نمبیار نے اپنے دورے کے دوران اسرائیل کے ساتھ ایک وسیع دفاعی معاہدے پر دستخط کئے ہیں۔ جس سے دونوں ملکوں کے درمیان دفاعی تعاون کو مزید فروغ اور استحکام حاصل ہوگا۔

اسرائیل۔ پی ایل او امن معاہدے سے قبل ہندوستان، مسلم اقلیت کے جذبات کا خیال کرکے اس دہشت گرد ریاست کے ساتھ دفاعی تعاون سے کتراتا تھا مگر اب صورت حال بدل گئی ہے۔ ویسے بھی موجودہ وزیر اعظم کو ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات کی چنداں فکر نہیں ہے۔

جناب نمبیار کا دورہ اسرائیل، وزارت دفاع کے ذرائع کے مطابق اس لئے زیر عمل آیا کہ ہندوستان روس کے تعاون سے مگ 21 طیاروں کو مزید بہتر بنانے کی فکر میں ہے۔ ہندوستانی دفاعی ماہرین کو امید ہے کہ اسرائیل کی فضائی نظام کی بعض چیزیں اس ضمن میں کارآمد ثابت ہوسکتی ہیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر نمبیار نے اسرائیل کا دورہ کیا تھا۔

کچھ دنوں قبل جناب نمبیار برطانیہ کے دورے پر گئے تھے جہاں انہوں نے HawkJet Trainer خریدنے کے سلسلے میں گفتگو کی تھی۔ ہندوستانی فضائیہ ایسے 90 جہاز حاصل کرنا چاہتی ہے لیکن اگر اسے 65 یا 70 بھی مل جائیں تو انہیں کافی سمجھے گی۔ ایک ہاک ٹرینر طیارے کی قیمت اندازاً 60 کروڑ روپے ہے۔

فضائیہ کی طرح ہندوستانی بحریہ بھی بعض نئی خریداریوں کے لئے حکومت پر زور ڈال رہی ہے۔ بحریہ کا مطالبہ ہے کہ اسے بہت جلد ایک ایر کرافٹ کیریئر کے علاوہ دو Frigates اور ایک DestrogerShip فراہم کئے جائیں۔ بری فوج نے بھی کچھ ایسے ہی بڑے مطالبات کر رکھے ہیں۔

ان ضرورتوں کے پیش نظر سکریٹری برائے دفاع جلد ہی ماسکو کے دورے پر جانے والے ہیں جہاں وہ روسی افسروں سے لیز پر حاصل کی گئی تین نیوکلیر سب میرن کی میعاد میں توسیع و تجدید معاہدہ کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ ہندوستان روس سے تین مزید نیوکلیر سب میرن لیز پر حاصل کرنے کی بھی کوشش کرے گا۔

حالانکہ پریسلر ترمیم کے تحت پاکستان کو امریکی ہتھیار نہ مل رہے ہیں اور نہ ملنے کی امید ہے لیکن پھر بھی چند اس قسم کی اخباری رپورٹوں کے بعد کہ امریکہ پاکستان کو ہاربون میزائل اور بحری نگرانی کے جہاز فروخت کرنے والا ہے، ہندوستان روس سے کچھ اسی قسم کے ہتھیار خریدنے کا پروگرام بنا رہا ہے۔ اگرچہ فوج کے سارے مطالبات کو پورا کرنے کے لئے وزارت دفاع کے پاس کافی پیسے نہیں ہیں لیکن پھر بھی ان میں سے کئی مطالبات بہرحال پورے کئے جائیں گے۔ ممکن ہے جناب نمبیار کے دورہ ماسکو کے دوران روس سے نیوکلیر سب میرن بنانے کی ٹکنالوجی حاصل کرنے سے متعلق بھی کوئی معاہدہ ہوجائے۔ اپنی معیشت کو درست کرنے کے لئے پیسوں کا محتاج روس ہندوستان کو ایک ایر کرافٹ کیریئر ایڈمرل گورشکوف اور بعض انتہائی ترقی یافتہ ہتھیار مثلاً ٹی 85 ٹینک وغیرہ بھی فروخت کرنے کی تمنا رکھتا ہے۔

اسرائیل پی ایل او امن معاہدے سے قبل ہندوستان، مسلم اقلیت کے جذبات کا خیال کرکے اس دہشت گرد ریاست کے ساتھ دفاعی تعاون سے کتراتا تھا مگر اب صورت حال بدل گئی ہے۔ ویسے بھی موجودہ وزیر اعظم کو ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات کی چنداں فکر نہیں ہے۔

سرب درندے عورتوں کی عصمت دری اور مردوں کو جانوروں کی مانند قتل کر رہے ہیں

بوسنیائی مسلمانوں کی لرزہ خیز داستان

یہ سیلاب بلا بلقان سے جو اُمڈا آتا ہے
اسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں
کب تک؟

بوسنیا سے جو خبریں اور تصویریں دنیا کے سامنے آئی ہیں وہ سربوں کے غیر انسانی مظالم کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان مہیب مناظر کو دیکھ کر سنگ دل انسانوں کے رونگٹے بھی کھڑے ہو گئے لیکن فرانسیسی صدر کو چھوڑ کر پوری مغربی قیادت، خصوصاً بدطینت جان میجر، بل کلنٹن اور بطرس غالی خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ اگر ان تینوں لیڈروں کو حرکت ہوتی ہے تو اس کا مقصد بوسنیائی مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔ ان کی گھناؤنی صلیبی ذہنیت اب ساری دنیا پر آشکارا ہو چکی ہے۔

سربرینیقا فتح کرنے کے بعد وحشی سربوں نے پناہ گزیں مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا یہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ دنیا کو معلوم ہو چکا ہے۔ رات بھر نوجوانوں کو پکڑ کر پھانسیاں دی جاتی رہیں اور عورتوں کے ساتھ اجتماعی زناکاری کی گئی۔ بوڑھوں اور بچوں کو بھی نہیں بخشا گیا۔ اس قیامت کے دوران کچھ لوگ خود بخود دوسرے مقامات کی طرف بھاگ گئے۔ جو ایسے خوش قسمت نہ تھے انہیں سربوں نے بسوں میں بھر کر وہاں سے بھاگنے پر مجبور کیا۔ لیکن ان میں سے بھی نوجوانوں اور بے شمار نوجوان لڑکیوں کو الگ کر کے نامعلوم مقامات پر لے جایا گیا۔ ان کا انجام ہر کسی کو معلوم ہے یعنی نوجوانوں کو قتل اور لڑکیوں کی عزت لوٹی جائے گی۔

سربرینیقا سے بھاگ کر آنے والے مسلمانوں نے دردناک کہانیاں سنائی ہیں۔ ایک پناہ گزیں نے کہا۔ "میں نے سربوں کو دیکھا کہ وہ پاگل ہو گئے ہیں۔ وہ لوگوں کو چھریوں سے ذبح کر رہے تھے"۔ ایک دوسرے پناہ گزیں کے دل پھاڑنے والے یہ الفاظ بھی سنئے: "شہر پر قبضہ کی پہلی رات ہم صبح تک چیخ و پکار سنتے رہے۔ سرب فوجی عورتوں کو اٹھا کر لے گئے اور ان کے ساتھ برا سلوک کیا اور مردوں کو اس طرح قتل کیا جیسے جانوروں کو ذبح کرتے ہیں"۔

اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زیادہ مسلمان پائے جاتے ہیں۔ 45 سے زائد مسلم ممالک ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی میں بھی دم نہیں ہے کہ اپنے دینی بھائیوں اور بہنوں کی مدد کرسکے۔ ہاں البتہ ان کی تلواریں اپنے ہی بھائیوں کی گردنوں کے لئے کافی تیز ہیں۔ عراق کے معصوم عوام کو محض صدام کی غلطیوں کی سزا دینے میں وہ سب سے آگے ہیں لیکن بوسنیا کے مسلمانوں کی مدد کرنے کے معاملے میں بوڑھی عورتوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے ہیں۔

تباہی و بربادی کی سراپا تصویر۔ بوسنیائی خواتین

> **اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زیادہ مسلمان پائے جاتے ہیں۔ 45 سے زائد مسلم ممالک ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی میں بھی دم نہیں ہے کہ اپنے دینی بھائیوں اور بہنوں کی مدد کرسکے۔ ہاں البتہ ان کی تلواریں اپنے ہی بھائیوں کی گردنوں کے لئے ہیں۔**

رہا سوال مغرب کا تو وہ شروع ہی سے ایک ایسی پالیسی پر گامزن ہے جس کا مقصد بتدریج بوسنیا سے مسلمانوں کا بالکلیہ خاتمہ ہے۔ بوسنیا میں تین سال سے جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب برطانیہ اور امریکہ کی ایماء پر ہو رہا ہے۔ اگر عرب اور مسلم حکمرانوں اور عوام کو ابھی تک اس معاملے میں کوئی شبہ تھا تو وہ دور ہو جانا چاہئے۔

اقوام متحدہ سربوں کے ہاتھوں اپنی پے در پے تذلیل کے باوجود اب بھی برطانیہ اور امریکہ کے اشارے پر مسئلے کو گفتگو کے ذریعہ حل کرنا چاہتی ہے۔ حالانکہ یہ کڑوا سچ سب پر واضح ہو چکا ہے کہ ظالم سرب بوسنیا کو فتح کرنا چاہتے ہیں اور ان پر اقوام متحدہ کی مذمتی قراردادوں، ناٹو کی دھمکیوں یا گاہے بگاہے بے مقصد فوجی حملوں کا نہ ماضی میں کوئی اثر پڑا ہے اور نہ آئندہ پڑنے والا ہے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ یہ سب بندر گھڑکیاں ہیں یا شاید وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ سب دنیا کو دکھانے کے لئے ہے اور اس کا مقصد سربوں کو بوسنیا فتح کرنے سے باز رکھنا ہرگز نہیں ہے۔ یہ محض الزام نہیں ہے۔ خود مغربی صحافیوں کا کہنا ہے کہ ناٹو کے جہازوں کے وقتی حملوں اور دھمکیوں کا سربوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اقوام متحدہ بوسنیا میں اپنے مقاصد میں ناکام ہو چکا ہے۔ کیا تھے یہ مقاصد؟ مسلمانوں کی حفاظت کرنا یعنی کم از کم اقوام متحدہ کے مخصوص کردہ علاقوں میں۔ یہی بنیادی غلطی ہے۔ اقوام متحدہ مغربی اقوام خصوصاً امریکہ کا ایک ذیلی ادارہ بن کر رہ گیا ہے۔ صلیبی ذہنیت کے امریکی و برطانوی حکمرانوں کا مقصد یہ کبھی نہیں تھا کہ بوسنیا میں مسلمانوں کی کوئی مدد کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے ایران، بنگلہ دیش اور پاکستان کی اپنی فوجیں بھیجنے کی پیشکش نامنظور کر دی تھی۔

یہ وہی اقوام متحدہ ہے جس نے چند سال قبل عراق سے کسی بھی قسم کے سمجھوتے کو ٹھکرا کر اسے تباہ کر دیا تھا اور آج بھی اپنی ظالمانہ قراردادوں کی تنفیذ پر بضد ہے چاہے اس سے وہاں کی پوری آبادی بھوک، پیاس اور امراض سے ختم ہو جائے۔ لیکن اسی اقوام متحدہ کے فوجیوں کے ساتھ ساتھ سربوں نے کیا سلوک کیا ہے۔ ایک ماہ ہوئے کہ چار سو سے زائد فوجیوں کو یرغمال بنا لیا گیا تھا اور سربرینیقا پر قبضہ کے وقت بھی 60 ایسے فوجیوں کو یرغمال بنا لیا گیا تھا۔ مگر اس ساری توہین اور اپنی ساری قراردادوں کی کھلی خلاف ورزی کے باوجود اقوام متحدہ سربوں کے خلاف اس نوعیت کی کارروائی سے راہ فرار اختیار کئے ہوئے ہے جیسی کہ عراق کے معاملے میں روا رکھی گئی تھی۔ کیونکہ اس محاذ پر اس کے بموں کا نشانہ بننے والے مسلمان تھے۔

اگر یہ اقوام متحدہ بوسنیا سے نکل جائے اور بوسنیائی مسلمانوں کو اپنی حفاظت کے لئے ہتھیار خریدنے کی اجازت مل جائے تو شاید وہ اپنا دفاع کرسکیں۔ دراصل ناکارے اقوام متحدہ کے پاس اب دو ہی راستے ہیں یا تو اپنی فوجیں واپس بلا لے یا پھر سربوں پر اس طرح حملہ کرے جس طرح اس نے عراق کے خلاف کارروائی کی تھی۔ فرانسیسی صدر جیکس شیراک بھی اسی نقطہ نظر کے حامی ہیں۔

> **اگر یہ اقوام متحدہ بوسنیا سے نکل جائے اور بوسنیائی مسلمانوں کو اپنی حفاظت کے لئے ہتھیار خریدنے کی اجازت مل جائے تو شاید وہ اپنا دفاع کرسکیں۔**

انہوں نے برطانیہ اور امریکہ کو کھلے عام ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا کہ یا تو سربوں کے خلاف فوجی کارروائی کی جائے یا وہاں سے ہاتھ صاف کر کے نکل آیا جائے۔ لیکن بدطینت اور بدترین صلیبی ذہنیت کے مالک جان میجر اور بل کلنٹن شیراک کی اس تجویز سے متفق نہیں ہیں۔ وہ اب بھی گفتگو کے ذریعے مسئلے کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں کمینہ صفت لیڈر کسے بیوقوف بنا رہے ہیں؟

ہم جب سے پیدا ہوئے ہیں مسلمانوں پر گھناؤنے اور غیر انسانی مظالم کی داستان سنتے چلے آ رہے ہیں۔ خدایا! کہیں اس مہیب تاریک رات کا کوئی سویرا بھی ہے؟

ایک ہفتے سے زائد عرصے تک زیپا کا دفاع کرنے والی چھوٹی سی مسلم فوج نے بالآخر کو شہر خالی کر دیا جس کے بعد سرب فوج کا اس پر قبضہ ہو گیا۔ زیپا دوسرا ایسا شہر ہے جسے اقوام متحدہ نے مسلمانوں کے لئے محفوظ علاقہ قرار دے رکھا تھا۔ لیکن سربرینیقا کی طرح یہ بھی سربوں کے قبضہ میں آگیا اور اقوام متحدہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی۔ سچ یہ ہے کہ اقوام متحدہ اور اس کے مغربی حلیف پہلے ہی زیپا کو سربوں کے حوالے کر چکے تھے۔ اگر گذشتہ دس روز سے اس شہر پر سرب فوج قابض نہ ہو سکی تھی تو اس لئے کہ ہلکے ہتھیاروں سے مسلح چند سو مسلم سپاہی اس کا دفاع کر رہے تھے اور سربوں کو شہر میں داخل ہونے سے روکے ہوئے تھے۔

لیکن یہ ہر کسی کو معلوم تھا کہ زیپا پر سربوں کا قبضہ تقریباً طے ہے۔ 11 جولائی کو سربوں کے قبضہ میں آنے والے سربرینیقا میں مسلمانوں کے ساتھ سربوں نے جو وحشیانہ سلوک کیا تھا اس سے بچنے کے لئے زیپا کے اچھے خاصے مسلمان پہلے ہی راتوں کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر قریب کے جنگلوں میں بھاگ گئے تھے۔ یہ وقت ہی بتائے گا کہ یہ فرار کہاں تک ان کے حق میں جاتا ہے کیونکہ وہاں جنگلوں میں نہ انہیں کھانے کے لئے کچھ ملے گا اور نہ ہی سردیوں اور بارش سے پناہ ملے گی۔ جنگلوں میں بھاگ کر نوجوانوں نے خود کو سربوں کے ہاتھوں قتل ہونے یا عورتوں نے اپنی ناموس تو محفوظ کر لی ہے کم از کم وقتی طور پر ہی سہی، لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کا مستقبل کیا ہے۔ کیونکہ ان جنگلوں سے ان علاقوں کی طرف نکل بھاگنا جو مسلمانوں کے زیر تسلط ہیں بہت مشکل کام ہوگا۔

لیکن اب بھی ہزاروں بوڑھے بچے، بچیاں

بوسنیا پر س

سربوں کو دھمکی دی ہے کہ اگر انہوں
گوراڈزے پر حملہ کیا تو ان پر ہوائی حملہ کیا جائے
مگر دنیا کو معلوم ہے کہ یہ بندر گھڑکی کے علاو

کیا عالمی عدالت جنگی مجر
سزا دے پائے گی!

ہیگ میں واقع انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس نے 26 جولائی کو بوسنیا کے سرب لیڈر رادوان کرادزک اور ان کے فوجی سربراہ ریٹکو ملادک کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری کئے ہیں۔ سابق یوگوسلاویہ میں جرائم کی تفتیش کرنے والے انٹرنیشنل کریمنل ٹریبونل نے یہ وارنٹ پالے، سرائیوو اور بلغراد میں جاری کئے ہیں۔ ان ظالم سرب لیڈروں کو کورٹ نے بوسنیا میں اپریل 1992ء سے نسل کشی کا مجرم قرار دیا ہے۔ کورٹ نے مزید کہا کہ "ان لیڈروں نے دوسروں کے تعاون سے بوسنیا کے مسلمانوں اور کروٹ شہریوں پر مذہب، قوم اور سیاسی اختلاف کی وجہ سے مظالم ڈھائے ہیں"۔ ٹریبونل نے 22 دوسرے سربوں کو بھی نسل کشی کا مجرم گردانا ہے۔ ان تمام 24 لیڈروں پر ہزاروں مسلمانوں اور کروٹوں کو بے گھر کرنے یا قید میں رکھنے کا جرم عائد کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کرادزک اور ملادک کو قتل، زنا بالجبر، جنسی دہشت گردی، تشدد، مار پیٹ، ڈکیتی، شہریوں پر غیر قانونی بمباری اور ایسے بعض دوسرے جرائم کا بھی مجرم قرار دیا گیا ہے جن کی

تفصیل نسل کشی سے متعلق 1949ء کے ج
کنونشن میں ملتی ہے۔
انٹرنیشنل کریمنل ٹریبونل کے اس فی

اس شمارے کی قیمت
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے/ 40 امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل 49، ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا
فون: 6827018

پر سربوں کا بتدریج وحشیانہ قبضہ

ایک بوسنیائی خاتون: تصویر رنج والم

نہیں ہے۔ گوراژدے پر سربوں کے حملے کا اندیشہ ہے لیکن ایک دوسرے نام نہاد "محفوظ شہر" بیہاچ پر پہلے ہی سرب حملہ آور ہو چکے ہیں جسے سربی قبضہ سے بچانے کے لئے نہ تو ناٹو، نہ اقوام متحدہ اور نہ ہی مغربی ممالک کوئی اقدام کر رہے ہیں۔ سربوں کی حالیہ جارحیت جب سے شروع ہوئی ہے اس وقت سے یا تو پوری مغربی قیادت ذہنی انتشار کا شکار ہے یا پھر سربوں سے ملی ہوئی ہے۔ ہفتوں لندن اور دوسرے یوروپی شہروں میں مغربی ممالک کے وزرائے خارجہ و دفاع اور فوجی جنرلوں کی میٹنگیں ہوتی رہیں لیکن نتیجہ کچھ بھی برآمد نہ ہوا سوائے اس کے کہ سربوں کو دوچار اور کھوکھلی دھمکیاں دے دی گئیں۔ اس دوران فرانس اور برطانیہ کے تین سو کے قریب سپاہی بھاری ہتھیاروں کے ساتھ سرائیگو کی پہاڑی پر پوزیشن لے چکے ہیں جس کا مقصد سرائیو پر سربی حملے کو روکنا نہیں بلکہ اگر سرب اقوام متحدہ کے فوجیوں یا اس کے قافلوں پر حملہ کرتے ہیں تو ان کا منہ توڑ جواب دینا ہے۔

مغربی قیادت کو بے عمل بنانے میں سب سے زیادہ پرانے استعمار پسند اور مسلم دشمن برطانیہ کا ہاتھ ہے۔ برطانیہ کی ہاں میں ہاں کلنٹن انتظامیہ بھی ملا رہی ہے۔

اس دوران مسلم ممالک کے رابطہ گروپ کی، جس میں پاکستان، ایران، سعودی عرب، مصر، ملیشیا اور ترکی وغیرہ شامل ہیں، جنیوا میں ایک نشست ہوئی جس کے بعد نہ صرف سربوں کی مذمت میں بیان جاری کیا گیا بلکہ اقوام متحدہ اور مغربی قیادت کی بھی تنقید کی گئی ہے۔ اس میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اقوام متحدہ کی بوسنیا سے متعلق ساری قراردادیں بے معنی ہو کر رہ گئی ہیں اور سربوں کی جارحیت کو روکنے میں اقوام متحدہ کی ناکامی کے بعد مسلم ممالک بوسنیا کی ہر ممکن مدد کرنے کے مجاز ہیں۔ رابطہ گروپ نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ وہ بوسنیا کی ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہیں اور اب اقوام متحدہ اور مغربی ممالک کے وعدوں پر بھروسہ کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں۔

اس کا اثر یہ پڑا ہے کہ مسلم ممالک نے اس مسئلہ پر بولنا شروع کر دیا ہے۔ ترکی میں اقوام متحدہ کے خلاف زبردست مظاہرہ ہوا ہے۔ ملیشیائی وزیر اعظم نے مغربی قیادت اور اقوام متحدہ کی سخت الفاظ میں تنقید کرتے ہوئے بوسنیا کے صدر سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ان کا ملک ہر قسم کے ہتھیار خریدنے کے لئے پیسے دینے کو تیار ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان کے اس فیصلے سے مغرب بہت ناراض ہوگا لیکن انہیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔ مصر نے بھی بوسنیا کو ہتھیار فراہم کرنے کی بات کہی ہے۔ لیکن شاید ملیشیا اور مصر دونوں کے پاس بوسنیا کو ہتھیار سپلائی کرنے کے لئے کوئی طریقہ کار نہیں ہے

مصر اور ملیشیا کے بعد دوسرے مسلم ممالک کی طرف سے بھی رد عمل سامنے آیا ہے۔ اردن کے شاہ حسین کی اپیل پر وہاں 24 گھنٹے کے اندر 70 لاکھ ڈالر جمع ہوگیا جو بوسنیا کی مدد کے لئے بھیجا جائے گا۔ بنگلہ دیش میں مغرب کی بے حسی کے خلاف اور بوسنیائی مسلمانوں کے حق میں مظاہرے ہوئے ہیں۔ برطانیہ کے مسلمانوں نے بھی اقوام متحدہ کی ناکامی اور بے عملی کے خلاف مظاہرہ کیا ہے۔ ملیشیا کے وزیر اعظم نے تو باقاعدہ اسے مغرب کی اسلام کے خلاف سازش قرار دیتے ہوئے بطروس غالی کو ان کے عہدے سے ہٹانے کی مہم چلانے کا اعلان کیا ہے۔

لیکن غالباً سب سے اہم واقعہ شاہ فہد کی یہ اپیل ہے کہ تمام مسلم ممالک او آئی سی کے رابطہ گروپ کے پروگرام کو کامیاب کرنے کے ساتھ بوسنیا کی سالمیت، اقتدار اعلیٰ اور حکومت کو بچانے کے لئے دامے درمے سخنے جو مدد بھی ممکن ہو کرے ضرور کریں۔ ظاہر ہے کہ اس اپیل کا اثر پڑنا ہی ہے۔ کچھ نہیں تو کم از کم سعودی حکومت اور شہری اچھی خاصی مالی مدد کر سکتے ہیں۔ لیکن جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ بوسنیائی فوجی امداد کے لئے عملی طریقے دریافت کئے جائیں۔ کیونکہ خشکی سے بوسنیا میں پہنچنے کا کوئی راستہ ہے نہیں اور سمندروں میں امریکی بیڑے نگرانی کر رہے ہیں جو پہلے ہی ایران کی چند مختصر فوجی امداد کی کوششوں کو ناکام بنا چکے ہیں۔ مسلم ممالک خصوصاً سعودی عرب کو بوسنیا کے معاملے میں اگر دیکھا جائے تو اسی طرح کھل کر سامنے آنا ہوگا جس طرح اس نے افغانستان کے معاملے میں بہت واضح اور دوٹوک رویہ اختیار کیا تھا۔

> ...جارحیت جب سے شروع ہوئی ہے اس وقت سے یا تو پوری مغربی قیادت ذہنی انتشار کا شکار ہے یا پھر سربوں سے ملی ہوئی ہے۔ ہفتوں لندن اور دوسرے یوروپی شہروں میں مغربی ممالک کے وزرائے خارجہ و دفاع اور فوجی جنرلوں کی میٹنگیں ہوتی رہیں لیکن نتیجہ کچھ بھی برآمد نہ ہوا سوائے اس کے کہ سربوں کو دوچار اور کھوکھلی دھمکیاں دے دی گئیں۔

یو پی میں لاقانونیت اور انتقامی کارروائیاں عروج پر

ملائم سنگھ کے دور حکومت کو "غنڈہ راج" قرار دینے والی بی جے پی اور بی ایس پی کے دور میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی روشنی میں اگر خود اسے غنڈہ راج سے تعبیر کیا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔

اس وقت تمام شعبہ ہائے زندگی میں وہی سب کچھ ہو رہا ہے جو بی جے پی چاہتی ہے۔ اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا ہے کہ مایاوتی حکومت بی جے پی کی کٹھ پتلی حکومت ہے اور یہ بی جے پی کے کہنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مایاوتی حکومت کے اعلانات و اقدامات چیخ چیخ کر اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ریزرویشن دینے کے اعلان پر بی جے پی کی سخت گرفت کے بعد اسے مکر جانا، بنارس کی گیان واپی مسجد اور متھرا کی عیدگاہ کا سخت ترین خطرے میں گھر جانا، مسلم مخالف فسادات کا برپا ہونا، مسجدوں میں بموں کے دھماکے ہونا، ہریجنوں پر مظالم کے پہاڑ توڑنا اور ملائم سنگھ کے خلاف انتقامی کارروائی کے تحت ان کے حامیوں پر سرکاری عتاب کا نازل ہونا ایسے معاملات ہیں جو واشگاف انداز میں یہ بتاتے ہیں کہ مایاوتی صرف نام کی وزیر اعلیٰ ہیں کام کے وزیر اعلیٰ تو کلیان سنگھ ہیں۔ ان کی مرضی کے بغیر کانشی رام بھی کوئی فیصلہ نہیں لے سکتے۔

سابقہ حکومت کو غنڈہ راج کہنے والی موجودہ حکومت میں ان کی مختصر مدت میں ہی غنڈہ گردی اور لاقانونیت کا گراف جتنا اونچا ہو گیا ہے اس کی مثال شاید ہی کہیں ملے۔ اس حکومت کے قیام کے فوراً بعد ہی بھوپور میں مسلم مخالف فساد ہوا جس میں اطلاعات کے مطابق فسادیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ حکومت کو ابھی ایک مہینہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ پرتاپ گڑھ کے قریب دلیر گنج میں مایاوتی کے ایک خاص الخاص ممبر اسمبلی راجہ بھیا عرف طوفان سنگھ کے غنڈوں نے مسلمانوں کے گھروں پر یلغار بول دی اور چار مسلم لڑکیوں رخسانہ، پروین، ناظرین اور سیما کو جن کی عمریں گیارہ سے اٹھارہ سال کے درمیان تھیں، قتل کر دیا۔ مسلمانوں کا قصور صرف اتنا تھا کہ طوفان سنگھ کے مقابلے میں ایک مسلم نوجوان کھڑا ہو گیا تھا۔ چار نوجوان لڑکیوں کے قتل کے ساتھ 80 گھروں کو بھی تاخت و تاراج کر دیا گیا۔ چونکہ وہ مایاوتی کا چہیتا ہے اس لئے پولیس بھی اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتی۔

ابھی اس واقعہ کو زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ سہارنپور کی مسجد میں بم دھماکہ ہو گیا جس میں مسجد کا کافی نقصان ہوا۔ ادھر دیوبند کے نزدیک رن کھنڈی کی مسجد پر بھی یلغار بول دی گئی جس کے نتیجے میں مسجد کا بھی نقصان ہوا اور آس پاس کے مسلم گھروں میں بھی تباہی مچی۔

دلتوں اور ہریجنوں کے نام پر بنی اس حکومت میں ان پر مظالم کے کیسے کیسے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں اس کا علم شاید حکومت کو بھی نہیں ہے یا پھر اگر ہے تو وہ جان بوجھ کر چشم پوشی کر رہی ہے۔ کہیں ہریجنوں کا قتل ہو رہا ہے تو کہیں انہیں ستایا جا رہا ہے۔ لیکن دلت حکومت خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ ہریجنوں پر بڑی ذات کے مظالم کا تازہ اور خوفناک معاملہ حال ہی میں سامنے آیا ہے۔ رائے بریلی کے نزدیک ایک گاؤں میں ایک 23 سالہ ہریجن سمر بہادر کے دونوں ہاتھ ایک ٹھاکر نے محض اس بنا پر کاٹ لئے کہ اس نے اس ٹھاکر کے گھر بیگار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ واقعہ 30 جون کا ہے لیکن ٹھاکروں کے خوف کی بنا پر پولیس میں رپورٹ درج نہیں کرائی گئی۔ 19

دن کے بعد پولیس کی کوششوں سے رپورٹ لکھوائی گئی۔

واقعہ یوں ہے کہ سمر بہادر کے گھر کچھ مہمان آئے ہوئے تھے وہ ان کی خاطر تواضع کر رہا تھا اسی درمیان اوم پرکاش سنگھ نامی ٹھاکر آکر اسے بلانے لگا اس نے کہا کہ وہ اس حالت میں اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ اوم پرکاش نے اسے گالیاں دینی شروع کر دیں اور زبردستی اپنے گھر لے گیا۔ اسے چارہ کاٹنے والی مشین چلانے کو کہا۔ سمر بہادر کی بیوی بھی ساتھ میں تھی۔ اس درمیان اوم پرکاش نے ٹھیک سے مشین نہ چلانے کی بات کہتے ہوئے سمر بہادر کے دونوں ہاتھ مشین میں ڈال دئے۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور خون میں ڈوب گیا۔ اس کا باپ اس وقت انبالہ میں تھا۔ اس نے بھی آکر ٹھاکروں کے خوف سے کوئی رپورٹ نہیں درج کرائی۔ کیونکہ ٹھاکروں نے ان لوگوں کو دھمکیاں دینی شروع کر دی تھیں۔ بہرحال 19 جولائی کو رپورٹ لکھی گئی اور اس دن اوم پرکاش گرفتار کر لیا گیا۔ اس گرفتاری کے خلاف بلاک پرمکھ بشرام سنگھ کی قیادت میں ٹھاکروں نے پولیس کے خلاف زبردست ہنگامہ کیا۔

ملائم سنگھ کے خلاف مایاوتی کی انتقامی کارروائی بھی اپنے شباب پر ہے۔ اٹاوہ ضلع انتظامیہ ملائم سنگھ کے حامیوں کے خلاف مختلف قسم کی کارروائیاں کر رہا ہے جس میں ان کے اسلحوں کو ضبط کرنا اور امن و قانون کی بحالی کے نام پر انہیں خوف و ہراس میں مبتلا کرنا شامل ہے۔ پولیس نے ملائم سنگھ کے حامیوں پر سو سے زائد چھاپے مار کر کئی لوگوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ بی جے پی نے چونکہ یادوؤں کی مبینہ غنڈہ گردی کو ختم کروانے کے عزم کا اظہار کیا تھا اس لئے یادوؤں کے خلاف دھواں دھار کارروائی ہو رہی ہے۔ اس کا مقصد ملائم کی عوامی بنیاد کو کمزور کرنا ہے۔

...مجرموں کو کوئی

گرفتاری سے بچنے کے لئے اب شاید یہ لیڈر بوسنیا میں سربوں کے قبضہ کے علاقوں یا بچے کھچے یوگوسلاویہ سے باہر نہ نکلیں۔ واضح رہے کہ یہ دونوں لیڈر 1992ء اور 1993ء میں بالترتیب لندن اور جنیوا امن کانفرنسوں میں شرکت کر چکے ہیں۔ مغرب کی پریشانی یہ ہے کہ اب ایسی کسی کانفرنس میں ان رہنماؤں کی شرکت اسی وقت ممکن ہو سکے گی جب انہیں گرفتار نہ کرنے کی یقین

کراڈزک اور ملادک

دہانی کرائی جائے گی۔ لیکن ایسی کوئی بھی یقین دہانی انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس یا ٹریبونل کے احکام کی خلاف ورزی ہوگی۔ لیکن کیا ان وارنٹس کا کراڈزک اور ملادک پر بھی کوئی اثر پڑے گا یہ کہنا

دھرم کے نام سادھوؤں کی مجرمانہ سرگرمیاں شباب پر

آچاریہ ساگر کے بعد اجودھیا کے مہاراج دیورام داس ویدانتی کی داستان دلپزیر ملاحظہ فرمائیں

سید علی کی تحریر

ارے یہ تو اجودھیا والے سادھو مہاراج ہیں جن کے قدموں کی تصویروں کی پوجا ہوتی ہے۔ یہ تو بھگوان سمان ہیں۔ ایسے بھگوان کو پولیس اس طرح کمر میں رسہ باندھ کر سڑکوں پر گشت کراتے ہوئے تھانہ کیوں لے جارہی ہے۔ سادھو سنتوں، رشی منیوں کا کہیں اس طرح اپمان کیا جاتا ہے۔ یہ تو صریحا ظلم اور دھارمک مہا پرشوں کی توہین ہے۔ ایسا شریف اور نیک آدمی کوئی مجرم ہوسکتا ہے۔ سادھو جی مجرم تو نہیں ہیں لیکن ان پر پٹنہ کی ایک 21 سالہ دوشیزہ کو اغوا کرکے اس کے ساتھ پیار و محبت کرنے کا الزام ہے۔ تو کیا پیار و محبت کرنا جرم ہے؟ اغوا کیوں کہتے ہیں اسے یہ تو اس لڑکی کی خوش بختی ہے کہ سادھو جی مہاراج کی نظر عنایت اس پر پڑگئی اور اس کو روحانی سفر طے کراکر بھاگل پور لے آئے تاکہ اس کی باطنی صفائی کرکے سادھوی بنایا جاسکے۔ سادھوی اوما بھارتی اور سادھوی رتھمبرا تو ضرور ہی واقف ہوں گی بلکہ قریبی تعلق بھی رہا ہوگا سادھو جی مہاراج سے۔ اگر ان کو خبر مل گئی تو لالو پرشاد کی خیر نہیں ہے۔

گرو جی کوئی معمولی سادھو نہیں ہیں بڑے باکمال اور صاحب کرامت سادھو ہیں۔ دیورام داس ویدانتی کا نام کون نہیں جانتا ان کو کون نہیں پہچانتا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کے قدموں کی تصویریں اجودھیا میں بکتی ہیں اور ان کی پوجا کی جاتی ہے۔ سادھو جی مہاراج اجودھیا کے سب سے متمول ٹرسٹ جانکی جیون ٹرسٹ کے تنہا مالک ہیں۔ بابا دیورام داس ویدانتی جی کا ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے جانکی جیون ٹرسٹ کے نام سے بھاگل پور میں 100 ایکڑ زمین بھی خرید رکھی ہے تاکہ وہاں 9 کروڑ روپے کی لاگت سے ایک عظیم الشان مندر تعمیر کرسکیں۔

ہاں تو سادھو دیورام داس ویدانتی گرفتار کیوں کئے گئے؟ بیان کیا جاتا ہے کہ سادھو مہاراج پٹنہ آیا جایا کرتے تھے وہاں بھی ان کے پرستاروں کی ایک معقول تعداد ہے۔ ایک خاتون ان کی بڑی عقیدتمند تھی وہاں سادھو جی کچھ زیادہ ہی آنا جانا کرتے تھے وجہ یہ تھی کہ اس خاتون کی ایک خوبصورت لڑکی تھی جو گریجویشن کر رہی تھی۔ سادھو جی کو اس لڑکی میں سادھوی کی ساری خصوصیات نظر آئیں۔ ایک روز سادھو جی بڑے موڈ میں تھے۔ مٹھائی لے کر آئے تھے۔ لڑکی کو اپنے ہاتھوں سے مٹھائی کھلائی۔ یہ بڑی سعادت کی بات تھی کہ بابا نے اپنے دست مبارک سے مٹھائی کھلائی تھی۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ لڑکی مٹھائی کھاتے ہی بے ہوش ہوگئی اور پھر جب ہوش آیا اور آنکھ کھلی تو اس نے اپنے کو بھاگل پور کے ایک ہوٹل میں پایا۔ ہوا یہ تھا کہ سادھو بابا نے اپنے زور کرامت سے اس لڑکی کو "روحانی سفر" کرایا اور بھاگل پور لے آئے۔ بھاگل پور میں پہلے ہی سے انہوں نے ایک ہوٹل میں کمرہ بک کرا رکھا تھا اور اپنا نام رام دیو پانڈے ساکن گونڈہ لکھایا تھا۔

لڑکی جب پٹنہ سے پراسرار طریقے پر غائب ہوگئی تو اس کی ماں کو بڑی مشکل سے سادھو جی پر شک ہوا پھر یقین ہوگیا کہ یہ اس سادھو کی حرکت ہے۔ چنانچہ اس نے پٹنہ میں اس کی رپورٹ تھانہ میں درج کرائی۔ پولیس سرگرم ہوگئی۔ پولیس بھاگل پور پہنچی سراغ لگایا اور ایک دن اس مقامی ہوٹل پر چھاپہ مارا جہاں سادھو جی اس لڑکی کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔ سادھو جی اس وقت بھی مخصوص دھیان گیان میں تھے۔ مونچھوں والی پولیس کو دیکھ کر پہلے غرائے پھر لال لال سرخ آنکھیں نکال کر چلائے بھسم ہوجائے گا سادھو کا اپمان کرتا ہے۔ دو ڈنڈے لگے تو سادھو جی ہوش میں آگئے۔ سادھو جی کے اس "آشرم" سے صرف ایک تھیلا نکلا جس میں محض تین لاکھ روپے، ایک غیر ملکی ریوالور اور 21 عدد گولیاں نکلیں۔ یہ تو کوئی جرم نہیں ہوا۔ اتنے پہنچے ہوئے سادھو جی کے پاس نذرانہ کی اتنی حقیر رقم کا پایا جانا اور اپنی حفاظت کے لئے ایک ریوالور رکھنا کیا ایسا جرم ہوتا ہے کہ ان کے کمر میں رسہ باندھ کر سڑکوں پر گشت کرایا جائے۔ مگر بات اتنی ہی نہیں تھی سادھو جی کے قبضہ سے بہت ساری سادھوی دیویوں کی ننگی تصویریں بھی برآمد ہوئیں۔ ایک ڈائری بھی ملی جس میں بہت ساری کنیاؤں کے نام اور پتے بھی تھے اور ان ناموں میں بعض پر لال نشان لگے ہوئے تھے۔ بس یہی چند تصاویر بتاں چند حسینوں کے خطوط سادھو جی کا روحانی اثاثہ تھا جس پر پولیس نے ان کو سڑکوں پر گھمایا اور تھانہ لے گئی۔

اب اس قسم کے واقعات میں کوئی ندرت نہیں رہی اور نہ ہی یہ کوئی پہلا واقعہ ہے۔

رسیوں سے جکڑے ہوئے مہاراج اپنے اسلحوں کے ساتھ

ادھر چند برسوں میں بعض سادھوؤں اور بھگوانوں کے جرائم اور کارستانیاں جو سامنے آئی ہیں وہ کتنی عبرت ناک اور بھیانک ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔ (1) یہ مدراس کے بھگوان آنند ہیں ان پر الزام ہے کہ ان کے آشرم میں جنسی بدسلوکی کی جاتی ہے۔ ان پر قتل، بلیک میلنگ، ٹیکس چوری اور تمل ٹائگرس سے تعلقات کے الزامات ہیں۔ ان کے آشرم سے چھاپہ کے دوران ایک انسانی ڈھانچہ بھی برآمد ہوا ہے۔ (2) یہ دوارکا کے سوامی کیشو آنند ہیں جو جنسی اسکینڈل کے سلسلے میں بہت شہرت پاچکے ہیں ان کے آشرم پر چھاپہ مارا گیا تو ایک کروڑ روپیوں کی رقم ہاتھ لگی (50 لاکھ نقد اور فکسڈ ڈپازٹ اور اندرا وکاس پترا)۔ 15 بینکوں کی پاس بکیں بھی ملیں جن میں 70 لاکھ روپئے جمع تھے۔ ان پر زنا کاری اور حاملہ ہوجانے والی عورتوں کے اسقاط کا بھی الزام ہے۔ (3) یہ سورت کے گوتھن گاؤں کے سوامی وسنت مودی ہیں۔ خود کو بھگوان کہتے ہیں۔ ان کے آشرم سے چھاپہ کے دوران ٹی وی، وی سی آر، فحش لٹریچر، مانع حمل اشیاء اور زیر جامہ ملبوسات پائے گئے۔ سوامی جی ایک شادی شدہ عورت کو سیتا بنانے کے لئے لے اڑے تھے مگر پکڑے گئے۔ (4) نئی دہلی کے رام اوتار شاستری سے ملئے۔ عمر 45 سال کے قریب ہے۔ اس نے اپنی حقیقی 14 سالہ بیٹی کو دو سال تک جنسی ہوس کا نشانہ بنائے رکھا۔ اس پر زنا بالجبر، بم جنسی اور شورہ پشتی کے متعدد مجرمانہ مقدمات قائم ہیں۔ (5) بالارام پرساد پر الزام ہے کہ اس نے دس سالہ لڑکی لکشمی کے ساتھ زنا کیا پھر لواطت کی اور آخر میں اسے مار کر تالاب میں پھینک دیا۔ اپنے کو تانترک کہتا ہے۔ اس جنسی درندہ پر دو سو عورتوں کی آبروریزی کا الزام ہے۔ اس نے 8 قتل بھی کئے ہیں۔ ایسے ایسے پاپیوں کی ایک طویل فہرست ہے کہاں تک غلیظ داستان بیان کی جائے۔ آچاریہ سنمتی ساگر کا قصہ تو گذشتہ شمارے میں ملاحظہ ہی کرچکے ہیں۔

> سادھو جی کے قبضہ سے بہت ساری سادھوی دیویوں کی ننگی تصویریں بھی برآمد ہوئیں۔ ایک ڈائری بھی ملی جس میں بہت ساری کنیاؤں کے نام اور پتے بھی تھے اور ان ناموں میں بعض پر لال نشان لگے ہوئے تھے۔ بس یہی چند تصاویر بتاں چند حسینوں کے خطوط سادھو جی کا روحانی اثاثہ تھا جس پر پولیس نے ان کو سڑکوں پر گھمایا اور تھانہ لے گی۔

> ارے یہ تو اجودھیا والے سادھو مہاراج ہیں جن کے قدموں کی تصویروں کی پوجا ہوتی ہے۔ یہ تو بھگوان کے سمان ہیں۔ ایسے بھگوان کو پولیس اس طرح کمر میں رسہ باندھ کر سڑکوں پر گشت کراتے ہوئے تھانہ کیوں لے جارہی ہے۔ سادھو سنتوں، رشی منیوں کا کہیں اس طرح اپمان کیا جاتا ہے۔

بقیہ کابل کا موجودہ امن

حال ہی میں حکمت یار نے ایک پاکستانی اردو اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے الزام لگایا ہے کہ ہندوستانی پائلٹ ربانی حکومت کے جہاز اڑا رہے ہیں۔ انہوں نے یہ الزام بھی لگایا کہ ہندوستانی فوجی ماہرین کابل فوجیوں کی مدد کر رہے ہیں۔ حکمت یار احمد شاہ مسعود اور ربانی پر یہ الزام بھی عائد کرتے ہیں کہ وہ امریکہ اور ہندوستان کے غلام ہونے کے علاوہ ان سابق کمیونسٹوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں جو سقوط کابل تک افغان فوج اور خفیہ ایجنسی خاد کے روح رواں تھے۔ ان میں سے کسی بھی افسر کو نہ معطل کیا گیا ہے اور نہ ہی ان کے اختیارات میں کمی آئی ہے۔ بلکہ سچائی یہ ہے کہ کابل میں اب بھی بنیادی طور پر انہیں فوجی و شہری افسران کا عمل دخل ہے جو سابق کمیونسٹ یا ان کے طرفدار ہیں۔ آئی ایس آئی کے حکمت یار حامی عناصر ان باتوں کے پیش نظر بے نظیر پر دباؤ ڈال کر پھر سے گلبدین حکمت یار کی حمایت پر انہیں آمادہ کرسکتے ہیں۔ ربانی اور احمد شاہ مسعود نے پاکستان کو نظر انداز کرکے جو خارجہ پالیسی اختیار کی ہے اس کے پیش نظر ممکن ہے بے نظیر حکومت پھر سے حکمت یار کا ساتھ دینا شروع کردے۔ اگر ایسا ہوتا ہے اور اس کے امکانات بہت زیادہ ہیں تو ایک بار پھر کابل حملوں کی زد میں آجائے گا اور اس کا امن درہم برہم ہوجائے گا۔

دراصل کابل اور افغانستان میں پائدار امن کے لئے ضروری ہے کہ پاکستان کے تعاون سے وہاں ایک ایسی حکومت قائم کی جائے جس میں وہ تمام ہی گروپ شامل ہوں جنہوں نے روسیوں اور ان کے ہمنوا افغانستانی کمیونسٹوں کے خلاف جہاد کیا تھا۔

بقیہ عالم عرب کے آزاد ذہن صحافی

اخبارات کی طرح یورپ میں بہت سے ایسے ٹیلی ویژن اسٹیشن بھی قائم کئے ہیں جن میں سے الشرکے مالکان سعودی ہیں۔ سب سے بڑا اور پرانا اسٹیشن لندن میں ہے جسے چار سال قبل قائم کیا گیا تھا اس کے مالک شاہ فہد کے سالے شیخ ولید الابراہیم ہیں۔ ان ٹیلی ویژن اسٹیشنوں کی بھی کم و بیش وہی پالیسی ہے جو الحیاۃ اور الشرق الاوسط کی ہے۔ لیکن ان کے اثرات کافی زیادہ ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق عرب ممالک میں ایسے ٹیلی ویژن ناظرین کی تعداد 25 لاکھ سے زیادہ ہے۔

یوروپ سے شائع ہونے والے اخبارات اور وہاں قائم ٹیلی ویژن اسٹیشنوں سے وابستہ صحافیوں کی عرب دنیا میں کافی پہنچ ہے۔ چنانچہ اکثر یہ لوگ مغربی صحافیوں سے پہلے خبروں کا انکشاف کرتے ہیں۔ ان کے عمومی مطالعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان اخبارات کو عرب شہروں سے شائع ہونے والے اخبارات کی بہ نسبت کہیں زیادہ آزادی حاصل ہے۔

ہندوستان میں ہماری ایجنسیاں

☆ نظیر بک ڈپو
قائد ملت روڈ۔ ٹرپلیکن۔ مدراس

گوشہ محل روڈ۔ حیدر آباد۔
فون: 4732386

☆ شمس نیوز ایجنسی

☆ برائٹ نیوز ایجنسی
ڈی۔ این۔ روڈ۔ بمبئی وی ٹی

☆ اے۔ رشید انصاری
نیوز پیپر ایجنٹ اررریا۔ بہار

☆ اے۔ ایس خان (جرنلسٹ)
سرونج۔ ویدیشہ۔ مدھیہ پردیش

☆ اسلم نیوز ایجنسی
چکر دھر پور۔ سنگھ بھوم۔ بہار

☆ محمد نور اللہ
نیوز پیپر ایجنٹ دلاور پور۔
مونگیر۔ بہار

☆ جمال بک ڈپو
باری روڈ۔ گیا۔ بہار

☆ محمد عتیق الرحمن
کبیر محلہ۔ اورنگ آباد۔ بہار

لالہ لاجپت رائے۔ گھنشیام داس برلا اور راج گوپال آچاریہ کی مسلمانوں کے لئے الگ ملک بنانے کی وکالت اور گاندھی جی کی معنی خیز خاموشی

تقسیم ملک کا الزام مسلمانوں ہی کے سر کیوں؟

یوم آزادی کے موقع پر خصوصی پیشکش

تحریر: ڈاکٹر محمد حسن

معاصر صحافت کے اس کالم میں ہم مسلم معاملات، سیاسی حالات اور دوسرے اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات وخیالات سے واقف ہوسکیں اور یہ جان سکیں کہ دوسری زبانوں کے اخبارات مذکورہ معاملات پر کیا موقف اختیار کر رہے ہیں۔

زمانہ 1930ء کے آس پاس کا ہے لالہ لاجپت رائے ہندوستانی آزادی کے وہ سورما ہیں جو انگریزی میں ینگ انڈیا اخبار نکالتے تھے اور اردو میں سوراجیہ اخبار۔ انھوں نے اسی زمانے میں لکھا تھا کہ مسلمانوں کے لئے ایک الگ حصہ ہندوستان کا بنا دینا چاہئے۔ رائے غلط ہو یا صحیح۔ تھی لالہ لاجپت رائے کی۔

پھر 1940ء کے جنوری مہینے میں یعنی لاہور مسلم لیگ سیشن سے دو مہینے پہلے لالہ گھنشیام داس برلا نے گاندھی جی کو ایک خط لکھا جس میں صاف صاف کہا گیا تھا کہ مسلم اکثریت والے صوبوں کو الگ ملک بنا دیا جائے تو بہتر ہوگا اور اس کے بعد ہندو مسلم خلفشار ختم ہوجائے گا۔ اسی سال مارچ میں مسلم لیگ نے لاہور اجلاس میں پاکستان کا ریزولیوشن منظور کیا۔

یہ باتیں ہوائی نہیں ہیں یقین نہ ہو تو آج بھی گاندھی جی کے نام برلاجی کے خطوط دیکھ لیجئے جواب چھپ چکے ہیں اس خط پر گاندھی جی نے صرف یہ نوٹ لکھا کہ انھوں نے یہ خط پڑھ لیا۔ پھر یہی نہیں جب مسلم لیگ نے تقسیم ہند کا مطالبہ زور شور سے اٹھایا تو راج گوپال آچاریہ نے اس کی حمایت کی۔ یہ وہی راج گوپال آچاریہ ہیں جو ہندوستان کے پہلے ہندوستانی گورنر جنرل ہوئے۔

کیا ان شہادتوں کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم کی ذمہ داری صرف اور صرف ہندوستانی مسلمانوں کے سر ہے۔

اسی زمانے میں مسلم لیگ نے غلط یا صحیح یہ حل سوچا کہ مسلم اکثریت والے صوبوں کو الگ ہونے کا حق دیا جائے اور وہ اگر چاہیں تو ایک دوسرے سے مل کر ایک اور وفاق یا ملک بنالیں۔ ایسا ملک بن بھی گیا اور اس نے اپنا نام پاکستان قرار دیا۔ یہ اقدام اسی نقطہ نظر سے کیا گیا تھا کہ فرقہ وارانہ چخ چخ کا دائمی حل نکل آئے۔ اس نئی مملکت کے ساتھ یہ شق بھی لگا دی گئی کہ اس وقت کی دیسی ریاستوں میں سے جو چاہیں نئی مملکت میں شامل ہوجائیں اور جس کے حکمراں چاہیں ہندوستان ہی میں رہیں۔

جی ہاں۔ یہ بات درست ہے کہ 1946ء میں جو عام انتخابات ہوئے ان میں مسلم لیگ کو بڑی اکثریت حاصل ہوئی مگر ایک لمحہ ٹھہر کر اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اول تو زمانہ جداگانہ انتخابات کا تھا یعنی مسلمان مسلمان امیدوار چنتے تھے اور ہندو ہندو امیدوار کو ووٹ دیتے تھے دوسرے اس وقت مسئلہ پاکستان کا نہیں تھا یہ ضرور ہے کہ مسلم لیگ یہ مطالبہ کر رہی تھی اور اسے 1946ء کے الیکشن میں زبردست اکثریت حاصل ہوگئی۔

مگر یہ بھی درست ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے صرف مسلم اکثریت کے صوبوں کا اپنا وفاق بنانے کی حمایت ہی میں ووٹ دیا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں نکالنا چاہئے کہ ان کا ووٹ خود اپنا وطن چھوڑ کر مسلم اکثریت والے وفاق میں آباد ہوجانے کے حق میں تھا۔

> مگر یہ بھی درست ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے صرف مسلم اکثریت کے صوبوں کا اپنا وفاق بنانے کی حمایت ہی میں ووٹ دیا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں نکالنا چاہئے کہ ان کا ووٹ خود اپنا وطن چھوڑ کر مسلم اکثریت والے وفاق میں آباد ہوجانے کے حق میں تھا۔

1950ء میں ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی نے ملک کو سیکولر اور جمہوری وفاق قرار دیا اور تماشا یہ ہوا کہ پاکستان بنوانے کا سارا الزام ہندوستانی مسلمانوں کے سر گیا۔ کسی کو یاد بھی نہیں رہا کہ لالہ لاجپت رائے نے یہ تجویز سب سے پہلے پیش کی تھی اور 1940ء میں مسلم لیگ کے ریزولیوشن سے پہلے جی ڈی برلا نے اسی تجویز کو گاندھی جی کے نام خط میں لکھا تھا۔

اس پر ستم یہ ہوا کہ فرقہ وارانہ فسادات کا ایک طویل لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا پاکستان سے بھاگ کر جو ہندو شرنارتھی ہندوستان آئے انہوں نے مارکاٹ کا ایک کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کردیا پھر اپنے دیسی ہندو مسلم فسادات بھی کچھ کم نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں گھر بے چراغ ہوگئے لاکھوں کروڑوں آدمی بے گھر ہوگئے اور سرحد کے اس پار سے اس پار اور اس پار سے اس پار آگئے۔

اس داستان پر اب پچاس برس سے زیادہ گزر چکے ہیں لیکن جن نفرتوں کو، جس خون خرابے کو دور کرنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی گئی تھی وہ کم سے کم ہندوستان میں آج بھی اسی قدر شدت سے قائم اور جاری ہے اور لطف یہ ہے کہ اب یہ ایک ایسے ملک میں ہورہا ہے جس کا آئین ہر مذہبی گروہ کو آزادی اور مساوات عطا کرنے کا دعوے دار ہے اور ہر زبان کو (جس میں اردو زبان بھی شامل ہے) مساوی حقوق دینے کا اعلان کرتا ہے اور اسی آئین کے سائے میں اور اسی سیکولر جمہوری ملک کے جھنڈے تلے اردو نے دم توڑ دیا (یا توڑ رہی ہے) اور ہزاروں نے فسادات میں اپنی جان یا مال گنوایا اور لاکھوں نہیں کروڑوں غیر مساوی انداز میں زندگی گزار رہے ہیں۔

کچھ بولیں تو کہا جاتا ہے کہ تم نے پاکستان بنوایا تھا۔ وہاں کیوں نہیں جاتے۔

لو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے

یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

اور جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ ان عظیم الشان قربانیوں کو فراموش کردیتے ہیں جو مسلمانوں نے اس ملک کی آزادی کے لئے دی ہیں اور ادارے اور جماعتیں چھوڑیے۔ گو ان کی تعداد اور خدمات بھی بہت ہیں۔ صرف کانگریس ہی کو لیجئے تو آج کی نسل تو اس بات کو بھی نہیں جانتی کہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن، بدرالدین طیب جی، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم اجمل خاں، خان عبدالغفار خاں، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، رفیع احمد قدوائی، مولوی عبدالباری، مولانا حسین احمد مدنی، یوسف مہر علی، مولانا حسرت موہانی اور منشی احمد دین وغیرہ نے اس ادارے کو کتنا خون دیا ہے اور اس کے لئے کیا کیا قربانیاں دی ہیں۔

خیر۔ یہ تو پرانے قضیے ہیں جو ہمارے دقیانوسی ملک کا پیچھا نہیں چھوڑتے اس لئے کہ وہ پچاس برس بعد بھی ماضی ہی میں جینا چاہتا ہے بلکہ اگر راجستھان، دہلی، مہاراشٹر اور گجرات کے انتخابات کے نتیجوں پر غور کیا جائے تو وہ شاید پچاس سال سے بھی بہت پیچھے جانا چاہتا ہے اور کھلم کھلا فرقہ پرستی کا پرچار کرنا چاہتا ہے۔ مگر ایسا ہوا تو پرائے شگون کے لئے اپنی ناک کاٹنے والی بات ہی ہوگی۔

> یہ بات جتنی جلدی ہمارے ملک کے فرقہ پرستوں کو سمجھ میں آجائے اتنا ہی اچھا ہے کہ نہ تو ہندوستان ہسپانیہ ہے جہاں سے مسلمانوں کو نکال دیا گیا نہ وہ رومانیہ ہے جب اس قسم کے اقدام آسان تھے اور نہ ہندوستان کی یہ روایت رہی ہے اب اگر اپنے پاؤں کلہاڑی مارنے کا شوق ہو تو پورا کرلیجئے

یہ بات جتنی جلدی ہمارے ملک کے فرقہ پرستوں کو سمجھ میں آجائے اتنا ہی اچھا ہے کہ نہ تو ہندوستان ہسپانیہ ہے جہاں سے مسلمانوں کو نکال دیا گیا نہ وہ رومانیہ ہے جب اس قسم کے اقدام آسان تھے اور نہ ہندوستان کی یہ روایت رہی ہے۔ اب اگر اپنے پاؤں کلہاڑی مارنے کا شوق ہو تو پورا کرلیجئے ورنہ عقلمندی اسی میں ہے کہ جو حالات پیش نظر ہیں انہیں خوش دلی سے قبول کیجئے اور آپس میں بھائی چارے رہنے سے رہئے اور اپنے اندر نفرت اور تشدد کی آگ بھڑکانے والوں پر قابو پایئے۔

مسلمانوں کا معاملہ تو خیر تاریخ کا پیدا کردہ ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں جب تک مساوات کا چلن نہیں ہوگا اور جب تک ہم ہندوستان کے ہر شہری کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھنے کی عادت نہ ڈالیں گے، اسی قسم کا خلفشار باقی رہے گا۔ اقبال نے شاید اسی صورت حال کے پیش نظر کہا تھا۔

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہورہا ہے ہونے والا ہے

دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

آج تو حالت یہ ہے کہ انگلستان نے جرمنی کے خلاف ایک چھوڑ دو جنگ عظیم لڑی ہیں اور آج وہی جرمنی اور وہی انگلستان مشترکہ منڈی میں یکجا ہیں۔ جرمنی کے دو ٹکڑے لگ بھگ پچاس سال الگ رہنے کے بعد مل گئے اور یہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش اپنی پرانی دشمنیاں پالے ہوئے خواب خرگوش میں مست ہیں۔ دنیا کے مختلف علاقے اپنی یکجائی اور یکجہتی قائم کئے ہوئے ہیں کہ اسی میں سب کا فائدہ ہے اور ہم ہیں کہ پرانی دشمنیوں کے چراغ جلائے ہوئے ہیں جس سے نقصان سب کا ہے فائدہ کسی کا نہیں نہ کسی ملک کا نہ کسی ملک کے باشندوں کا۔

بقیہ ایک جاسوس کی

ہاتھ ملالیا۔ ان کا کہنا ہے کہ 1960ء اور 1970ء کی دہائیوں میں پی ایل او کی گوریلا سرگرمیوں کی وجہ سے یہ مسئلہ دنیا کے نقشے پر ضرور آگیا لیکن اس سے مسئلہ حل نہیں ہوا۔ اسی احساس نے بالآخر انہیں فلسطینیوں اور اسرائیل کے درمیان قیام امن کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا۔ 1972ء میں پارسل بم سے زخمی ہونے کے بعد بسام نے صحافت کے میدان میں قدم رکھا جس کی وجہ سے انہیں بعض مغربی صحافیوں سے دوستی کرنے کا موقع ملا۔ انہیں میں سے بعض دوستوں نے ان کی اوزی سے لندن کے ایک ہوٹل میں ملاقات کرائی۔ اس ملاقات کے دوران شراب وکباب کے درمیان انہوں نے دونوں قوموں کے مابین قیام امن کے امکانات پر غور کیا۔

ایک گوریلا سے امن پسند تک کا بسام کا سفر بہت دلچسپ ہے۔ 1988ء میں عرفات کے مشیر کی حیثیت سے انہوں نے بتدریج عرفات کو اس امن معاہدہ پر دستخط کرنے کے لئے آمادہ کرنے میں بھی بڑا رول ادا کیا ہے۔ لیکن وہ خود سے ایک سوال کرنا بھول گئے ہیں۔ اور وہ یہ کہ آخر اس امن سے فلسطینیوں کو کیا ملا اور بالآخر انہیں اس سے کیا ملے گا؟ خاص طور سے انہیں اپنے سے یہ سوال کرنا چاہئے کہ لبنان اور دوسرے عرب ممالک میں کسمپرسی کی زندگی بسر کررہے فلسطینیوں کا کیا ہوگا؟ کیا وہ بھی کبھی اپنے عزیز گھروں اور گاؤں یا شہروں کو لوٹ سکیں گے جن پر اسرائیل کا قبضہ ہے اور جن میں سے کتنوں کا اسرائیل نے نام ونشان تک مٹا دیا

حیدرآباد سے ذکیہ بیگم کی رپورٹ

حیدرآبادی خواتین کا پہلا کل جماعتی شریعت کنونشن

گذشتہ دنوں حیدرآباد کے نفیس منزل میں مسلم خواتین اور طالبات کا پہلا کل جماعتی شریعت کنونشن منعقد ہوا۔ یہ کنونشن مسلم پرسنل لا میں مداخلت اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے خلاف منعقد کیا گیا تھا۔ اس میں ایک ہزار سے زائد خواتین نے شرکت کی۔ کنونشن میں اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین اور طالبات نے اس قسم کی کوششوں کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔

محترمہ شاکرہ صاحبہ نمائندہ اہل حدیث نے اس موقع پر کہا کہ شریعت (قانون الٰہیہ) میں مداخلت اور کسی قسم کی تبدیلی کا اختیار خلفاء راشدین، صحابہ کرام تک کو نہیں تھا۔ حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قانون الٰہیہ میں تبدیلی کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ یہ ہمارے ایمان کا اٹوٹ حصہ ہے قانون الٰہیہ (شریعت) میں تاقیامت کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی

صالحہ صبیحہ صاحبہ نمائندہ تحریک مسلم شبان نے مسلم پرسنل لا پر تنقید کرنے والے اور تبدیلی کا مطالبہ کرنے والے محبان وطن اور قانون دانوں سے مطالبہ کیا کہ وہ پہلے مسلم پرسنل لا کا تفصیلی مطالعہ کریں۔

حمیرہ صاحبہ لکچرر سلطان العلوم نے تعدد ازدواج پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ تعدد ازدواج ہر سوسائٹی، ملک اور قوم میں رہا ہے اور ہے۔ یہ مرد کا فطری حق ہے۔ یہ حق مرد سے چھین لیا جائے گا تو سوسائٹی میں برائیاں شروع ہوجائیں گی۔ داشتہ رکھنے کا چلن بڑھ جائے گا۔ انہوں نے آگے کہا کہ لڑکی کو شریعت میں جائداد کا حق لڑکے کے مقابلہ میں آدھا دیا گیا لیکن بہ حیثیت بیٹی، بیوی، ماں، بہن اور بہو کو جو حصہ ملتا ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں ہے۔

افسر جہاں طالبہ ایم جی اے انچارج سکندرآباد نے اسلام میں تحفظ خواتین پر انگریزی میں تقریر کی۔ اور اسلام میں خواتین کو ملنے والے حقوق پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

کشور عمر صاحبہ سکریٹری حلقہ خواتین تعمیر ملت نے مسلمان خواتین سے گذارش کی کہ وہ مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں حقیقی بیداری پیدا کریں۔

ڈاکٹر عائشہ جبیں حلقہ خواتین انجمن مہدویہ نے کہا کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ایک مستقل مسلسل متحدہ جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اتحاد اور وحدت اور ایک ملی آواز و حمیت سے ہی مسلم پرسنل لا میں مداخلت اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کو روکا جاسکتا ہے۔

مس سلطانہ بی ای لکچرر سکریٹری مسلم مہیلا ریسرچ کیندر نے یکساں سول کوڈ کے نقائص پر روشنی ڈالی۔ اور ایک قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد میں تین مطالبات کئے گئے۔ (1) مسلم پرسنل لا کے کسی بھی سیکشن میں ترمیم نہ کی جائے۔ (2) آئین سے دفعہ 44 کو ختم کردیا جائے اور یکساں سول کوڈ کا شوشہ بھی ہمیشہ کے لئے ختم کردیا جائے۔ (3) ممبران پارلیمنٹ خصوصی قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو مکمل دستوری تحفظ فراہم کریں اور سپریم کورٹ، ہائی کورٹ اور زیریں عدالتوں کو اس بات کا پابند کریں کہ عدالت دستور کے قائم کردہ حدود سے بڑھ کر فیصلہ صادر نہ کرے۔

ڈاکٹر صفیہ مزمل صاحبہ سابق لکچرر انوارالعلوم کالج نے مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں مسلمانوں میں ناواقفیت کو اصل تباہی کی وجہ بتائی۔ اور کہا کہ ہر مسلمان عورت کو مسلم پرسنل لا سے ایسے ہی واقف ہونا چاہئے جیسا کہ کوئی اپنے خونی رشتہ سے واقف ہوتا ہے۔

فائقہ صاحبہ ناظمہ جماعت اسلامی حیدرآباد حلقہ خواتین نے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے متحدہ جدوجہد پر زور دیا اور کہا کہ یہ معاملہ خاموش بیٹھنے کا نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی سے گفت و شنید کی گنجائش ہے۔

جلیسہ یاسین صاحبہ صدر مسلم گرلز ایسوسی ایشن نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ مسلم پرسنل لا کا مسئلہ چند عورتوں کے نان و نفقہ اور طلاق کے بعد کے معاشی مسائل سے نہیں ہے اور نہ ہی کلچر اور ڈولپمنٹ سے اس کا تعلق ہے۔ شریعت کا ہر حصہ اپنے اندر بڑی گہرائی اور سماج کے ہر فرد کے حقوق کا لحاظ رکھتے ہوئے اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے انہوں نے سورہ نساء آیت نمبر 60 کی یاددہانی کراتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"ایمان لانے کے بعد اپنا مقدمہ کسی سرکش کے پاس لے جاکر اس سے فیصلہ نہ کروائیں۔ اللہ نے حکم دے دیا کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان تو انہیں بھٹکا کر گمراہ کرنا چاہتا ہے"۔

آپ نے فرمایا کہ نفاذ شریعت میں حائل و ذاتی انفرادی و سماجی کمزوریوں کو دور کریں اور کہا کہ ہر اس باوقار عورت کی زندگی کے لئے مسلم پرسنل لا کا تحفظ ضروری ہے۔ اپنے مسائل اور آپسی جھگڑوں کو خود حل کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ ہمارے ملک کی عدالتوں میں پہلے ہی سے ایک کروڑ بیس لاکھ مقدمات سماعت کے لئے پڑے ہوئے ہیں انہوں نے بغیر وکیل اور عدالتوں کے بہ آسانی مسائل کے حل کرنے کی عملی صورت اور ممکنات پر روشنی ڈالی۔ مسلم خواتین سے گذارش کی کہ اپنے حق سے بڑھ کر کسی دینوی قانون سے اگر حق ملتا بھی ہے تو ہرگز نہ لیں ورنہ آخرت میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔

ڈاکٹر اسماء زہرہ ایم بی بی ایس چیف سکریٹری مسلم گرلس ایسوسی ایشن نے مسلم پرسنل لا کے اہم خدوخال، نکاح، مہر، طلاق، نان و نفقہ، حق اولاد، وراثت، تولیت، ہبہ، وصیت، وقف پر تفصیلی روشنی ڈالی اور اس کا تقابل یوروپ اور امریکہ کے جدید ترین لاء سے کرکے بتلایا کہ ہر ایک لاء کے مقابلہ میں مسلم پرسنل لاء کتنا آسان اور تحفظ حقوق خواتین فراہم کرتا ہے۔ آپ نے کہا کہ تعدد ازدواج کا رواج اس وقت ہندوستان میں سب سے کم مسلمانوں میں ہے جبکہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے والوں میں سب سے آگے قبائلی ہیں۔

اٹھارہ فیصد قبائلی، آٹھ فیصد سے سات فیصد بدھ دھرم کے ماننے والے اور 5.7% ہندو اور صرف 3.4% مسلمان تعدد ازدواج پر عمل پیرا ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یکساں سول کوڈ صرف مسلمانوں کے خلاف نہیں ہے بلکہ مختلف تہذیبی اور مذہبی اکائیوں کے خلاف بھی ہے۔

چیف سکریٹری مسلم گرلز ایسوسی ایشن نے آخر میں ایسوسی ایشن کے مقاصد اور سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔

صبح کے خصوصی مدعوئین کی نشست میں سو سے زیادہ شرکاء نے شرکت کی اور کھل کر مسلم پرسنل لاء کے مختلف پہلوؤں اور اس کی اہمیت پر مباحثہ میں حصہ لیا۔ تمام نمائندگان نے ایک مستقل کل جماعتی تحفظ شریعت کمیٹی کے قیام سے اتفاق کیا۔ اس کا اعلان کنونشن کے عام اجلاس میں کیا گیا۔

سرکاری سرپرستی والے اخبارات کے نقش قدم پر نہ چلیں

ملی ٹائمز کے تازہ شمارے کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ جاری ہونے کے بعد سے تقریباً ہر شمارے دیکھنے اور پڑھنے میں آئے ہیں۔ الحمد للہ کہ آج مسابقت اور کاروباری ذہن کے اس دور میں آپ کا ہفت روزہ امید کی ایک کرن نظر آتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آج جتنے بھی ہفت روزہ اخبارات نکلتے ہیں وہ سب کے سب کاروباری ذہنیت کے ساتھ ملت کی نفسیات کا استحصال کرتے نظر آتے ہیں۔ لال پیلے رنگوں میں کاغذ کے ٹکڑوں پر جذباتی سرخیاں لگاکر اخبارات کو بیچنا ان کا مشغلہ بن گیا ہے۔ حقیقت پر مبنی خبروں کی اشاعت سے گویا ان کی بیر ہے۔ ان اخبارات کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ان کا مقصد صرف اور صرف پیسے کمانا ہے۔ آئین ملت کے اندر سیاسی و دینی شعور کو بیدار کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں دکھائی دیتی۔ ملی ٹائمز ان اخبارات سے اس معاملے میں ممتاز نظر آتا ہے۔ آپ سے گذارش ہے کہ آپ اخبار کا معیار مزید بہتر بنائیں اور خاص طور پر خبروں کی اشاعت کے معاملے میں سرکاری سرپرستی کے اخبارات کے نقش قدم پر نہ چلیں۔ قریبی شمارے میں صفحہ 6 پر "کیا مائک ٹائسن پھر ہیوی ویٹ چیمپئن بننے میں کامیاب ہوجائیں گے"۔ اس عنوان کے تحت سے جو مضمون صفحہ قرطاس کیا گیا ہے۔ اسے پڑھنے کے دوران سخت کوفت ہوئی۔ سرخی سے لے کر آخر تک ہر جگہ "مائک ٹائسن" ہی نام نظر آیا۔ جبکہ مائک ٹائسن کو ختم ہوئے کافی وقت گذر چکا ہے۔ اب وہ "ملک عبدالعزیز" ہے یہ تو اسلام دشمن عناصر کی نفسیاتی بیماری ہے کہ اپنی تکلیف کم کرنے کے لئے ملک عبدالعزیز کے بجائے مائک ٹائسن کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

محمد خالد احمد خاں درانی۔ ظہیرآباد ضلع میدک (اے پی)

ہندو احیا پسندی مت لکھیں

ملی ٹائمز شمارہ یکم تا 15 جولائی میں "دہلی پر قبضہ کے لئے یکساں سول کوڈ کا سہارا" کے متعلق مجھے عرض کرنا ہے کہ جب ہندو احیائے دین پر چہ می گوئیاں کرتے ہیں تو ایسی صورت میں ہندو احیا پسند کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اسی بات کو دوسرے الفاظ میں احتیاط کے ساتھ اظہار کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو بے حد احتیاط و ہوشیاری درکار ہے۔ ہر لفظ پر تنقیدی نقطہ نگاہ ملحوظ رہنا چاہئے۔

محمد علاء الدین۔ چترپور، ہزاری باغ (بہار)

درسگاہ اسلامی ماضی، حال اور مستقبل

تقسیم ہند کے بعد اپریل 1948ء میں جماعت اسلامی بحال ہوئی۔ کل ہند جماعت اسلامی نے مرکز کی تاسیس کے ساتھ ساتھ مسلمان بچوں کو تعلیم و تربیت کے تصور کو عملی جامہ پہنانے کا بھی فیصلہ کیا۔ ملیح آباد لکھنؤ میں مرکزی درسگاہ قائم کی گئی لہٰذا میرے دل میں بھی خیال آیا کہ اسی نصاب کے مطابق بہار میں بھی درسگاہیں قائم کی جائیں۔ اولاً میں نے اپنے گاؤں کمہرولی میں پانچ بچوں اور ایک استاد سے 1949ء میں ایک مکتب قائم کیا۔ وہ مکتب اب درس گاہ اسلامی کمہرولی کے نام سے قائم ہے۔ نرسری اور اطفال سے لے کر ساتویں جماعت تک بچوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ بچیوں کی تعلیم میٹرک تک عربی زبان اور پردے کے اہتمام کے ساتھ ہوتی ہے۔ اب تقریباً سات سو بچے، بچیاں اس میں زیر تعلیم ہیں۔

مرکزی درسگاہ کے نصاب کے مطابق 1950ء میں اقامتی درسگاہ جماعت اسلامی اسلام نگر دربھنگہ میں قائم کی گئی۔ مرکزی درسگاہ کا نصاب تعلیم اور درسیات اتنی جاذب توجہ ہوئیں کہ دس سال کے مختصر عرصے میں شمالی بہار میں 62 مکاتب، درسگاہیں اور مشرقی بہار میں تقریباً سو مکاتب و درسگاہیں قائم ہوئیں۔ 1952ء میں مولانا افضل حسین کو اس درسگاہ کے ملاحظے کے لئے دعوت دی گئی۔ اس درسگاہ کے ملاحظے کے بعد اپنی حیرت اور خوشی کا اظہار کیا اس درسگاہ نے دربھنگہ اور دوسرے مقامات کی ابتدائی مکاتب و درسگاہ کے لئے نمونے کا کام انجام دیا۔ ان مکاتب اور درسگاہوں نے جماعت کے نصاب اور درسیات کو اپنانے کی کوشش کی۔

اب اس درسگاہ کو از سر نو بحال کرنے کے لئے کوشش شروع کی۔ مسجد نبوی مدینہ منورہ کے تصور کے مطابق ایک سہ منزلہ کثیر المقاصد، کثیر الجہات مسجد کا منصوبہ بنایا گیا۔ اللہ کے فضل سے دو منزلیں بن چکی ہیں۔ پنج گانہ، جمعہ اور برسات میں عیدین کی نمازیں اس میں ہوتی ہیں۔ 60 بچوں کی اقامت کی اس میں گنجائش ہے۔ ایک اسلامی دعوت لائبریری کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ جس میں 6 زبانوں اردو، عربی، فارسی، ہندی، انگریزی اور بنگلہ میں کتابیں جمع کی گئی ہیں اور کی جارہی ہیں۔ مقامی زبان میتھلی میں بھی سات کتابیں شائع کی گئی ہیں۔ اس میں ایک مہمان خانہ، ایک شفاخانہ، مکتبہ اسلامی اور نگراں دارالاقامہ کا کمرہ اور مرکز اسلامی اسلام نگر کا دفتر قائم کیا جاچکا ہے۔ مسجد میں دارالحفظ و تجوید بھی قائم کیا گیا ہے۔ جس میں یتیم و نادار بچوں کو اولاً حافظ و قاری بنانے کے بعد پھر انشاء اللہ ان کو عالم، فاضل بنانے کا منصوبہ ہے۔ ان سے توقع کی جائے گی کہ تعلیم سے فراغت کے بعد کسی نہ کسی حیثیت سے دین و ملت کی خدمت کریں گے۔ کسی مسجد کے امام ہوں گے تو باشعور امام ہوں گے اور محلے کے لوگوں کی اسلامی تعلیم و تربیت بھی کرسکیں گے۔ کسی درسگاہ میں مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کا کام کریں گے۔ زیادہ باشعور اور اولوالعزم ہوں گے تو اقامت دین کی جدوجہد میں شریک ہوسکیں گے۔

فی الحال مرکزی درسگاہ اسلامی رامپور کے مجوزہ نصاب کے مطابق نرسری سے آٹھویں درجہ تک کی تعلیم و تربیت ہورہی ہے۔ آئندہ اس میں دسویں جماعت تک کی تعلیم کے انتظام کرنے کا ارادہ ہے۔ پھر اللہ چاہے گا تو جامعۃ الفلاح بلریاگنج کے نصاب کے مطابق یہ ایک جامعہ بھی ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ "اوکیشنل ٹریننگ سینٹر" قائم کرنے کا منصوبہ بھی پیش نظر ہے۔ اللہ اس کی تکمیل فرمائے۔

مسلمان والدین اور سرپرستوں کے لئے اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم و تربیت کرنا ضروری ہے۔ جو حضرات اپنے بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت چاہتے ہیں ان سے یہ گذارش ہے کہ بچوں کے ساتھ اسلام نگر تشریف لائیں۔ درسگاہ اسلامی اسلام نگر کے ملاحظے کے بعد انشاء اللہ وہ مطمئن ہوں گے اور اپنے بچوں کو درسگاہ میں داخل کرانا پسند کریں گے۔

محمد حسنین سید
اسلام نگر، دربھنگہ (بہار)

ایجنٹ حضرات توجہ دیں

دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا پتہ صاف صاف تحریر فرمائیں اور ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ ٹیلگرام میں کم از کم نام اور ایجنسی نمبر ضرور تحریر کریں۔ بسااوقات دفتر کو ایسے خطوط اور ٹیلگرام ملتے ہیں جس میں نہ نام درج ہوتا ہے اور پتہ بھی صاف نہیں لکھا ہوتا اور نہ ہی ایجنسی نمبر کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے دفتر کو متعلقہ خط پر عملدرآمد میں دشواری ہوتی ہے۔ لہٰذا پتہ صاف صاف تحریر فرمایا کریں۔

سرکولیشن منیجر
ملی ٹائمز انٹرنیشنل

اسکول اور کالج کے طلباء کے لئے

مقابلہ مضمون نگاری

موضوع

برائے اسکول طلباء: محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے نجات دہندہ

برائے کالج طلباء: عالمی انسانی برادری کے تعلق سے اسلامی تعلیمات ہی عالمی امن کے لئے واحد اور سب سے بہتر راستہ۔

زبان: اردو، انگریزی، اور تامل

مضمون کاغذ کے ایک جانب لکھا یا ٹائپ کیا ہوا ہو، ہر صفحہ پر شرکت کرنے والے اور اس کے ادارہ کے صدر کے دستخط اور ادارے کی مہر لازمی ہے۔

مضمون 21 اگست سے پہلے مندرجہ ذیل پتہ پر پہنچ جانا چاہئے۔

بیت الامن۔ 22 بیرکس روڈ۔ پیریامیٹ۔ مدراس۔ 600003

اغوا کاری کی روک تھام اور مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے

ہمیں کشمیر کی مذہبی شخصیات سے گفت وشنید کرنی چاہیے

تحریر: ایم کے۔ نارائین (انٹلی جنس بیورو کے سابق سربراہ)

معاصر صحافت کے اس کالم میں ہم مسلم معاملات، سیاسی حالات اور دوسرے اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات و خیالات سے واقف ہوسکیں اور یہ جان سکیں کہ دوسری زبانوں کے اخبارات مذکورہ معاملات پر کیا موقف اختیار کررہے ہیں۔

جموں وکشمیر میں گذشتہ سات سال سے اغوا کی وارداتیں علیحدگی پسندی کی تحریک کا لازمی حصہ بن چکی ہیں لیکن مظلومین اور عوام کے ذہنوں پر مرتب ہونے والے اس کے اثرات اور جنگجوؤں کے پروپیگنڈے میں تیزی اور اس کی مقبولیت کی طرف سے بے نیازی کا رجحان بھی عام رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بلا امتیاز قومیت یا وطنیت، اغوا کی یکسر اضطراری نوعیت، ان کی تعداد میں آئے دن اضافہ اور ان میں خارجی جنگجوؤں کی شمولیت اس مسئلہ پر گہری توجہ کا تقاضہ کرتی ہیں۔

حرکت الانصار کے جانشین الفاران گروہ نے پانچ یرغمالوں کو چھوڑنے کے عوض اپنے بائیس آدمیوں کی رہائی کا مطالبہ کرکے حکومت کو اس شش و پنج میں ڈال دیا ہے کہ وہ اغوا کاروں کی شرائط کو قبول کرکے ان سے گفت وشنید کرے یا نہ کرے۔ معاملہ کی حد درجہ تشہیر اور اس پر میڈیا کی ہر لمحہ لگی ہوئی آنکھوں کی وجہ سے اغوا کاروں سے کسی خفیہ سمجھوتے کی کوشش بھی ناممکن ہے۔

دوسری طرف اگر حکومت سے کچھ لئے بغیر اغوا کار ان یرغمالیوں کو رہا کردیتے ہیں تو ان کی بنی بنائی ساکھ جاتی رہے گی۔

ہم جانتے ہیں کہ ماضی میں ایسی ہی صورت حال سے دوچار ممالک نے ذاتی سطح پر جنگجو گروہوں سے سمجھوتے کئے ہیں اگرچہ بظاہر وہ جنگجوؤں سے جبری مصالحتی گفت وشنید میں شرکت سے انکار کرتے رہے ہیں۔ ایسے وقت میں جبکہ پانچوں یرغمالیوں پر موت کا سایہ منڈلا رہا ہے حکومت کی طرف سے اغوا کاروں سے کسی گفت وشنید کی عدم پیش کش واقعی غیر معمولی اور حیرت انگیز بات ہے۔ اغوا کاروں کے ساتھ عدم مذاکرہ کے قانون کی خلاف ورزی کے سلسلے میں فرانس اور جرمنی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس سلسلے میں ہندوستان کا ریکارڈ بھی دھندلا رہا ہے۔ دسمبر 1989ء میں جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ کے جنگجوؤں کے ہاتھوں روبیہ سعید کی رہائی کے نتیجے میں کئی مشہور جنگجوؤں کو رہا کرکے وادی میں علیحدگی پسندگی کی تحریک کو ذمہ داران نے بڑھاوا دیا تھا اور اگر ان جنگجوؤں کی تعداد اور ان کی اہمیت کے اعتبار سے سوچا جائے تو حکومت نے روبیہ سعید کو چھوڑنے کی خاصی بڑی قیمت چکائی تھی اور اس واقعے سے جنگجوؤں کو اپنی ہیبت عوام کے ذہنوں پر طاری کرنے میں بھی کافی مدد ملی تھی۔ 1991ء میں انڈین آئل کے ایزیکٹیو افسر کے اغوا کے معاملے میں صورت حال کے صحیح تجزیے کی بدولت یہ یقین سے کہا جاسکتا تھا کہ اغوا شدہ افسر کی رہائی کم سے کم نقصان پہنچائے بنا اور اغوا کاروں کی حوصلہ افزائی اور ان کے پروپیگنڈے کو تقویت دئے بغیر ممکن ہوسکے گی۔

> دیگر پہلوؤں کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی خاصی اہمیت کی حامل ہے کہ تصادم کو اس طرح حل کیا جائے کہ اسکی ہیئت کردی جائے یعنی اس کا رخ بدل دیا جائے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب حکومت کے پاس اضافی عملی قوت ہو

اس طرح کی صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لئے احتیاط سے وضع کی گئی حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ اور ایسی کوئی حکمت عملی ترتیب دیتے وقت اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ جنگجو گروہوں کی عددی قوت کیا ہے، ان کی تنظیم کے کمزور پہلو کون کون سے ہیں، ان میں شامل افراد کے ذاتی کوائف کی تفصیل کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ دیکھنا بھی ہوگا کہ جنگجو گروہوں کے مقابلے میں حفاظتی فوجوں کی پوزیشن کیسی ہے اور جس علاقے میں وہ تعینات ہیں اس میں امن و قانون کے نفاذ کی مجموعی صورت حال کیسی ہے۔

زیر نظر معاملے میں اگر ذمہ داران کے پاس داخلی معلومات کی کمی ہے اور اغوا کاروں کی پوری تفصیل ان کے پاس موجود نہیں ہے اور یرغمالیوں کو جس جگہ رکھا گیا ہے اس کا خاکہ مرتب کرنے پر وہ قادر نہیں ہیں تو انہیں کوئی بڑی حکمت عملی نہیں تیار کرنی چاہئے کیونکہ جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ سے نمٹنے اور حرکت الانصار کے جنگجوؤں پر قابو پانے میں بڑا فرق ہے کیونکہ حرکت الانصار کا مقصد سیاسی فائدہ اٹھانا نہیں بلکہ تباہی و بربادی پھیلانا اور مذہبی منافرت کو عام کرنا ہے اور اپنی سرپرست حزب اللہ کی طرح کسی بھی قیمت پر اس مقصد کو حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اور اگر یرغمالیوں کا انجام ان کے بھیانک قتل کی صورت میں سامنے آتا ہے تو آج کے دور میں جب مواصلاتی ذرائع تیز سے تیز تر ہوتے جارہے ہیں اغواکار اپنی تشہیر کے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوجائیں گے۔

حفاظتی اقدامات اور اس سے متعلق امور پر نظر رکھنے والے ماہرین نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ کشمیر میں نسلی اور مذہبی انتہا پسندی کا دور دورہ ہوجانے کا مطلب یہ ہے کہ جنگجو گروہ اندھا دھند لوٹ مار اور قتل و غارت گری کرنے لگیں کیونکہ ان کے پاس کوئی متعین مقصد نہیں ہے اور کسی طرح کی قید و بند کو برداشت نہیں کرسکتے اور کیونکہ مذہبی انتہا پسندی ان کے تشدد کا محرک بن رہی ہے اس لئے ہمیں چاہئے کہ مذہبی حلقوں سے گفت وشنید کرکے اس بحران سے نکلنے کی سبیل تلاش کریں اور اس کام میں مذہبی شخصیتوں اور جماعت کے نمائندوں سے بھی مدد لی جائے۔

اس کے علاوہ کئی دیگر پہلوؤں کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی خاصی اہمیت کی حامل ہے کہ تصادم کو اس طرح حل کیا جائے کہ اس کی ہیئت تبدیل کردی جائے یعنی اس کا رخ بدل دیا جائے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب حکومت کے پاس اضافی عملی قوت ہو اور حفاظتی افواج اپنی مسلسل کوششوں اور جدوجہد سے جنگجوؤں پر حاوی ہونے کی قدرت رکھتے ہوں۔ (انگریزی سے ترجمہ)

کیا آنگ سان سوکی نے فوجی حکمرانوں سے کوئی معاہدہ کرلیا ہے؟

برما کی فوجی حکومت کے خلاف برسرپیکار ہونے والی خاتون مجاہد اپنی رہائی کے بعد سرد کیوں پڑگئی ہیں؟ ان میں اب پہلے جیسا جوش وخروش کیوں دکھائی نہیں دیتا؟ کیا ان کی اس خاموشی سے اب نیشنل لیگ برائے جمہوریت میں تقسیم کا عمل شروع ہونے والا ہے؟۔ کچھ دنوں پہلے اس طرح کے سوالات لوگوں کے ذہن سے بہت دور تھے۔ اس وقت این ایل ڈی کی خاتون لیڈر صرف آنگ سانسوکی تھیں اور لوگ بھی انہیں ہی چاہتے تھے۔ لیکن اب جبکہ فضا بدل رہی ہے۔ اور آنگ سانسوکی رہائی پاچکی ہیں تو یہ سارے سوالات لوگوں کے ذہن کے اردگرد منڈلانے لگے ہیں۔ ان سارے سوالات کے جواب 8 اگست کو ہی مل سکیں گے کیونکہ اس دن برما کے حکومت مخالف عوام یوم شہید مناتے ہیں۔ اسی دن فوجی حکومت کے خلاف مظاہرہ کرتے ہوئے 3000 برمی مارے گئے تھے۔ اور چونکہ اس حکومت مخالف مظاہرہ کا اہتمام این ایل ڈی نے کیا تھا اور اس وقت اس کی قیادت آنگ سانسوکی کررہی تھیں۔ اس لئے یہی نہیں بلکہ یہ یقین کیا جارہا ہے کہ سانسوکی ہی 8 اگست کو اپنی پارٹی کو پھر سے منظم کرکے اسے ایک نیا رخ دینے کی کوشش کریں گی۔

لیکن حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اب نئے نئے اندیشے بھی فضا میں سانس لینے لگے ہیں۔ یعنی یہ کہ جیل کی رہائی حاصل کرنے کے بعد سانسوکی کے اب پہلے جیسے تیور نہیں ہیں اور نہ وہ زبان ہے جس کی ان کے حامی اور مخلصین امیدیں کررہے تھے۔ فوجی حکومت نے انہیں 7 سال پر رہا کیا ہے۔ موجودہ قانون کے مطابق یہ حکومت انہیں اس سے زیادہ دن تک نظربند رکھ بھی نہیں سکتی تھی۔

1990ء کے عام انتخابات میں این ایل ڈی کو اکثریت حاصل ہوئی تھی۔ لیکن سوموںگ کی قیادت والی فوجی حکومت نے نہ یہ کہ عوام کی اکثریت کے فیصلے کو نظرانداز کرتے ہوئے حکومت این ایل ڈی کی لیڈر سانسوکی کو سونپنے سے انکار کردیا بلکہ اس حکومت نے سانسو کو نظربند بھی کردیا۔ حالانکہ فوجی حکومت کے اس اقدام کی مذمت ساری دنیا نے کی لیکن حکومت پر اس رد عمل کا کوئی
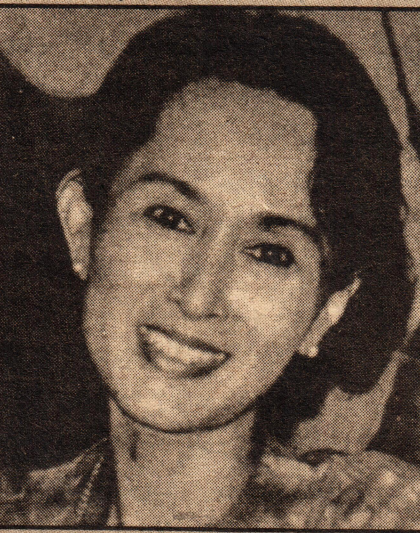
خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔ وہ مسلسل یہ کہتی رہی کہ "یہ قدم ملک کی بھلائی کے لئے اٹھایا گیا ہے۔ اور اسے یہ سب کرنے کا حق بھی حاصل ہے"۔ جبکہ دنیا کی اکثریت اپنے طور پر سانسوکی کی رہائی کے لئے کوششیں کرتی رہی اور اسی کوششوں کے نتیجے میں انہیں نوبل انعام، اور نہرو امن انعام وغیرہ سے نوازا گیا۔ جاپان، برطانیہ، امریکہ کے علاوہ تقریباً تین درجن ممالک نے برما کے خلاف معاشی پابندیاں عائد کردیں۔ اور سیاسی وثقافتی تعلقات منقطع کرلئے۔ نتیجتاً برما کو مختلف پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور آخرکار عالمی دباؤ کی وجہ سے اسے سانسوکی کو رہا کرنا ہی پڑا۔

لیکن اپنی رہائی کے بعد سانسوکی اپنے اس تیور کو برقرار نہیں رکھ سکیں جو ان کی رہائی سے قبل تھے یا یہ کہ جو تیور قید کے دوران تھے۔ رہائی کے بعد انہوں نے صحافیوں سے اپنی پہلی ملاقات میں توقع سے کچھ زیادہ ہی نرم انداز میں کہا "برما میں مغربی طرز کی جمہوریت مناسب نہیں ہے، یہاں ایشیائی جمہوریت کی گنجائش ہے جو کہ ایک لمبے مرحلے کے بعد ہی وجود میں آسکے گی"۔ ان کے اس ریمارک کا مطلب یہ ہوا کہ شاید اب مستقبل قریب میں ان کا جمہوریت کے قیام کے لئے جدوجہد کرنے کا پروگرام نہیں ہے۔ ان کے اس ریمارک نے تو تمام صحافیوں کو حیرت میں ڈال دیا کہ "وہ فوجی حکومت سے جمہوریت کے لئے گفتگو کریں گی"۔ اس پر صحافیوں نے جب یاد دلایا کہ وہ خود گذشتہ سالوں میں کہتی رہی ہیں کہ فوجی حکومت کے پاس کسی طرح کی جمہوری روح ہے ہی نہیں تو ان کا کہنا تھا کہ "نظربندی کے دوران میں کافی سنجیدہ ہوگئی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں ہمیشہ پرامید ہونا چاہیے"۔

اب اس سوال کا صحیح جواب تو مستقبل ہی دے گا کہ کیا واقعی آنگ سانسوکی فوجی حکمراں سے کسی طرح کی قربت کی خواہاں ہیں یا فوجی حکمراں سے انہوں نے کوئی خفیہ سمجھوتہ کرلیا ہے۔ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو اس طرح کے اندیشے کو زمین مہیا کررہی ہیں۔ مثال کے طور پر فوجی حکومت کا سانسوکی کو موجودہ قانون کی حد میں رہتے ہوئے کسی بھی طرح کی سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دینا ہے۔ اسی طرح سانسوکی اب پہلے کے برخلاف فوجی حکومت کے ساتھ سنجیدہ طور پر جدوجہد کی باتیں کررہی ہیں اور اب وہ پہلے کی طرح سیاست میں منہمک ہوکر دلچسپی نہیں لے رہی ہیں۔ حالانکہ جب تک یہ جیل میں تھیں ان کی شخصیت ایک پہاڑی سی معلوم ہوتی تھی لیکن اب آہستہ آہستہ مٹی کا تودا بنتی جارہی ہیں۔

سرحدی تنازعات جیسے چھوٹے مسائل حل کرکے

کیا سعودی عرب ایران اور عراق جیسے بڑے خطروں سے نمٹنا چاہتا ہے

تیل کی دولت سے مالا مال سعودی عرب کے تعلقات اپنے اکثر پڑوسیوں سے سرحدی تنازعوں کی وجہ سے بنتے بگڑتے رہتے ہیں۔ اکثر چھوٹے پڑوسیوں کو سعودی مملکت سے سرحد کے تعین کو لے کر شکایات ہیں۔ ماضی میں اس مسئلے کو لے کر سرحدی جھڑپیں بھی ہوچکی ہیں۔ ان سب باتوں کے پیش نظر حال ہی میں سعودی عرب نے بعض ایسے اقدامات کئے ہیں جن سے یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ ریاض اس مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے حل کردینا چاہتا ہے۔

سعودی عرب کی سرحد سات دوسرے

سعودی عرب کی آبادی پونے دو کروڑ کے قریب ہے لیکن مملکت کا رقبہ بہت وسیع ہے یعنی برطانیہ سے تقریباً دس گنا بڑا۔ ملک کا بڑا حصہ غیر آباد صحرا پر مشتمل ہے۔ چونکہ دنیا کے تیل کا دو تہائی حصہ اسی علاقے میں یعنی خلیجی ممالک میں پایا جاتا ہے اس لئے یہاں چھوٹے موٹے تنازعات کو کافی اہمیت دی جاتی ہے۔ انھیں باتوں کے پیش نظر سعودی عرب جلد سے جلد اپنے سرحدی تنازعات کو ختم کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ ایک خلیجی سفارت کار کے بقول "ایسا لگتا ہے کہ سعودیوں نے یہ طے کرلیا ہے کہ یہ (سرحدی تنازعات)

بیش یہی ہے کہ سعودی قیادت ان سرحدی تنازعات کو حل کرکے زیادہ اہم جغرافیائی و سیاسی اور اندرونی مسائل پر توجہ مرکوز کرنا چاہتی ہے۔ بعض مبصرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ سعودی عرب ان چھوٹے مسائل کو ختم کرکے دوسرے بڑے مسائل مثلاً عراقی یا ایرانی خطرے پر زیادہ توجہ دینا چاہتا ہے۔ لیکن اس بات میں کچھ زیادہ وزن نہیں ہے۔ ایران اور عراق ماضی میں زیادہ طاقتور اور خطرہ بننے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ایران و عراق کے خطرے سے زیادہ سعودی عرب کے اس احساس نے کہ اپنے چھوٹے پڑوسیوں کی زمانے سے چلی آرہی شکایات کو دور کردینا اس کے حق میں بہتر ہے، انھیں اس نئی پالیسی کو اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض اندرونی مسائل مثلاً خراب ہورہی معیشت اور اسلام پسندوں کے خطرے نے انھیں مجبور کیا ہو کہ اپنے پڑوسیوں سے تعلقات بہتر کرلیں

کے تعین کے مسئلے پر سعودی عرب نے پہل کی ہے۔ خلیج کے سفارت کاروں کے ذریعہ یہ خبر بھی آئی ہے کہ مملکت قطر کے ساتھ بھی اپنا سرحدی جھگڑا جلد طے کرلے گی۔ واضح رہے کہ تین سال قبل قطر اور سعودی عرب کے درمیان سرحدی تنازعے کو لے کر مسلح جھڑپیں ہوئی تھیں۔ قطر میں نئے حکمراں سے سعودیوں کے تعلقات اچھے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ اس سے سرحدی تنازعے کو حل کرنے میں مدد ملے گی۔

گذشتہ دسمبر میں خلیجی تعاون کونسل کے سربراہی اجلاس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ یہ تمام نمایاں سرحدی تنازعات آئندہ دسمبر میں ہونے والی سربراہی کانفرنس تک حل کرلئے جائیں۔ اس وقت

والد عبدالعزیز ابن سعود نے فتوحات کے ذریعہ موجودہ مملکت کو قائم کیا تھا۔ لیکن چھوٹے پڑوسیوں کے ساتھ مملکت کی سرحد کا تعین کبھی بھی نہ کیا جاسکا۔ اس لئے یہ چھوٹے ممالک اکثر سعودی عرب کے

> سعودی عرب کی سرحد سات دوسرے ممالک سے ملتی ہے جن میں سے اکثر کو شکایت ہے کہ ان کی اور سعودی عرب کی سرحدوں کا تعین نہ ہونے سے انھیں نہیں معلوم کہ ان کی مملکت کی حدود کیا ہیں۔

ممالک سے ملتی ہے جن میں سے اکثر کو شکایت ہے کہ ان کی اور سعودی عرب کی سرحدوں کا تعین نہ ہونے سے انھیں نہیں معلوم کہ ان کی مملکت کی حدود کیا ہیں۔ کچھ کو تو باقاعدہ شکایت ہے کہ سعودی عرب نے ان کے علاقوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور بعض کا الزام ہے کہ ان مقامات کی سرحدی تعیین سے بھی سعودی عرب کتراتا ہے جہاں دوسروں کے علاقے پر اس کی نظر نہیں ہے۔

مسائل ایسے نہیں ہیں جن کے لئے مغز ماری کی جائے۔ سعودی یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ یہ سرحدی تنازعات علاقے میں ان کی قیادت کو سبوتاژ کرنے کے علاوہ ملک کی بدنامی کا بھی باعث ہورہے ہیں۔ سعودیوں کو یہ بھی محسوس ہونے لگا ہے کہ ان تنازعات کے حل کے بعد وہ زیادہ آرام سے رہ سکیں گے"۔

ایک دوسرے خلیجی سفارت کار کا تاثر بھی کم و

عراق اور اردن سے سعودی عرب کی سرحد 1920ء کی دہائی میں طے ہوچکی تھی۔ حال ہی میں مملکت نے اومان کے ساتھ بھی سرحد کے تعین کے متعلق ایک معاہدے پر دستخط کئے ہیں۔ متحدہ عرب امارات اور یمن کے ساتھ سرحد کے تعین کے مسئلے پر مذاکرات ہوئے ہیں اور توقع ہے کہ جلد ہی کوئی سمجھوتہ ہوجائے گا۔ اسی طرح کویت کے ساتھ سرحد

> ایک خلیجی سفارت کار کے بقول "ایسا لگتا ہے کہ سعودیوں نے یہ طے کرلیا ہے کہ یہ (سرحدی تنازعات) مسائل ایسے نہیں ہیں جن کے لئے مغز ماری کی جائے۔ یہ سعودی بھی محسوس کرتے ہیں کہ یہ سرحدی تنازعات علاقے میں ان کی قیادت کو سبوتاژ کرنے کے علاوہ ملک کی بدنامی کا بھی باعث ہورہے ہیں۔

اکثر لوگوں نے اسے ایک روایتی قسم کی بیان بازی کہہ کر رد کردیا تھا۔ لیکن جلد ہی سعودی عرب کے سارے پڑوسی حیران رہ گئے جب اس سمت میں ریاض نے تیز عملی اقدامات کرنے شروع کردئے۔

اس صدی کی پہلی تین دہائیوں میں شاہ فہد کے

اصل ارادوں کے بارے میں شبہے میں مبتلا رہے ہیں۔ لیکن مملکت کے حالیہ اقدامات سے اس طرح کے شبہات تقریباً دور ہوگئے ہیں۔

عالم عرب کے آزاد ذہن صحافی یوروپ میں آباد ہونے پر مجبور

آج عالم عرب کے کسی بھی ملک میں پریس کی آزادی نہیں پائی جاتی۔ اکثر صحافی یا تو اظہار مافی الضمیر سے روک دئے جاتے ہیں یا پھر وہ "غداری" کا ثبوت دیتے ہوئے ایسی باتیں تحریر کرتے ہیں جس سے پہلو بچالے جاتے ہیں جن سے حکمرانوں کے ناراض ہونے کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ جب بھی ایسے صحافی جو کسی بھی قیمت پر بھی اپنی بات کہنا چاہتے تھے وہ عرب دنیا چھوڑ کر مغرب میں جاکر آباد ہوگئے اور وہاں سے عربی اخبارات کے ذریعے اپنے خیالات کی تشہیر کرنے لگے۔

آج عرب دنیا کے اہم اور معزز ترین اخبارات لندن سے شائع ہوتے ہیں۔ عربی پروگرام نشر کرنے والا سب سے بڑا ٹیلی ویژن اسٹیشن بھی اٹلی میں روم کے قریب واقع ہے۔ ان اخبارات اور ٹیلی ویژن اسٹیشنوں کے اکثر مالک سعودی شہری ہیں۔ خاص طور سے 1990ء کی دہائی میں بہت سے سعودی شہریوں نے جن میں سے بعض شاہی خاندان سے بھی تعلق رکھتے ہیں، لندن سے شائع ہونے والے

اخبارات کو خرید لیا ہے۔ ان امیر مالکوں کی وجہ سے ان اخبارات کو دولت کی تو کمی نہ رہی۔ چنانچہ ان اخبارات و ٹیلی ویژن کا اسٹاف کافی لمبا چوڑا اور ان کے آلات اور مشینیں انتہائی جدید ہیں۔ پھر اکثر عرب ممالک کے برعکس انھیں مکمل آزادی حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یوروپ خصوصاً لندن سے شائع ہونے والے اخبارات عرب دنیا کے کسی بھی اخبار سے زیادہ معیاری ہیں۔

سعودی شہریوں اور شہزادوں کی عرب اخباری صنعت میں دلچسپی لینے سے ان کی معاشی پوزیشن جہاں مستحکم ہوئی ہے وہیں بعض آزادی پسند صحافیوں نے ان کے بڑھتے ہوئے اثرات کی مخالفت کی ہے۔ لندن سے شائع ہونے والا القدس، جو سعودی عرب کی خارجہ پالیسی کی اکثر تنقید کرتا رہتا ہے ۔ اس کے ایڈیٹر عبدالباری کا کہنا ہے کہ

> آج عرب دنیا کے اہم اور معزز ترین اخبارات لندن سے شائع ہوتے ہیں۔ عربی پروگرام نشر کرنے والا سب سے بڑا ٹیلی ویژن اسٹیشن بھی روم کے قریب واقع ہے۔ ان اخبارات اور ٹیلی ویژن اسٹیشنوں کے اکثر مالک سعودی شہری ہیں۔

یوروپ کے عرب پریس پر بتدریج سعودی عرب کا کنٹرول ہوگیا ہے جس سے اظہار خیال کی آزادی سلب ہوکر رہ گئی ہے۔

1970ء اور 1980ء کی دہائیوں میں بیروت واحد جگہ تھی جہاں کے اخبارات آزاد تھے۔ لبنان کی خانہ جنگی کی وجہ سے اکثر صحافیوں نے یوروپ میں سکونت اختیار کرلی جہاں سے، خصوصاً لندن سے، انھوں نے اخبارات شائع کرنے شروع کردیئے۔ مگر انھیں ہمیشہ مالی دشواریوں کا سامنا رہا۔ اس مسئلے سے نجات پانے کے لئے اکثر اخبارات نے سعودی عرب کی مالی سرپرستی قبول کرلی۔ کئی سعودیوں نے ان میں سے بیشتر اخبارات اور ٹیلی ویژن اسٹیشنوں کو خرید لیا ہے۔ الحیاۃ جو آج عرب دنیا کا سب سے معتبر اور بہتر اخبار مانا جاتا ہے اس کے مالک جنگ خلیج کے دوران سعودی عرب کے کمانڈر شہزادہ خالد بن سلطان ہیں۔ یہ اخبار لندن سے شائع ہوتا ہے اور پوری عرب دنیا کے دانشوروں میں کافی مقبول ہے۔ الحیاۃ کی تعداد اشاعت مصر کے نیم سرکاری اخبار الاہرام سے کافی کم ہے لیکن اس کا اثر کہیں زیادہ ہے۔ الحیاۃ کا اسٹاف کافی بڑا اور جدید تکنالوجی سے پوری طرح مسلح ہے۔ پوری عرب دنیا میں اس کے بیس بیورو ہیں اور ہر قابل ذکر عرب شہر میں اس کے نمائندے ہیں۔ چنانچہ عرب دنیا کے بارے میں اس کی خبریں کافی وسیع ہوتی ہیں۔ سچ یہ ہے کہ یہ ایک بین الاقوامی اخبار ہے جسے پورے عالم عرب میں پڑھا جاتا ہے۔

الحیاۃ سے وابستہ صحافیوں کا کہنا ہے کہ ان پر ان کے مالک نے کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی ہے۔ وہ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ عرب دنیا سے دور رہنے کی وجہ سے انھیں معروضیت کے ساتھ تجزیہ کرنے اور خبروں اور ان کے تجزیوں کو عالمی تناظر میں پیش کرنے کا بہترین موقع حاصل ہے۔ اس کے علاوہ انھیں عرب دنیا کی اہم شخصیات تک رسائی حاصل ہے چاہے ان کا تعلق کسی بھی گروپ سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ الحیاۃ کی خبریں وسیع اور گہرائی لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ الجزائر کی خانہ جنگی اور عرب۔ اسرائیل امن معاہدے سے متعلق مذاکرات کا جو کوریج الحیاۃ نے پیش کیا ہے وہ کسی بھی عربی یا انگریزی اخبار سے بہتر رہا ہے۔

الحیاۃ یا اس جیسے دوسرے اخبارات پر سعودی عرب کے حد سے زیادہ بڑھے ہوئے اثرات کے مخالف صحافیوں کا کہنا ہے کہ اس کے صحافیوں کو سنسر کیا جاتا ہے۔ الحیاۃ اور اس جیسے دوسرے اخبارات میں دنیا جہاں کی خبریں اور ان پر بے لاگ تبصرے تو ہوتے ہیں لیکن خود خلیجی ممالک سے متعلق خبریں نہایت کم اور تبصرے تو شاذ و نادر ہی شائع کئے جاتے ہیں۔ ان مخالفین کا یہ بھی کہنا ہے کہ سعودی کنٹرول والے اخبارات سے وابستہ صحافی خود ہی اپنے اوپر سنسر لاگو کرلیتے ہیں۔ الحیاۃ کے مینیجنگ ایڈیٹر جہاد الخازن اس کا یہ کہہ کر دفاع کرتے ہیں کہ خود سے کی گئی معمولی سنسرشپ سے اخبار کا کافی فائدہ ہے۔ اول یہ کہ کسی بھی عرب ملک میں اس پر پابندی عائد نہیں کی جاتی۔ دوم یہ کہ سعودی عرب

> اخبارات کی طرح یوروپ میں بہت سے ایسے ٹیلی ویژن اسٹیشن بھی قائم ہیں جن میں سے اکثر کے مالکان سعودی ہیں۔ سب سے بڑا اور پرانا اسٹیشن لندن میں ہے جسے چار سال قبل قائم کیا گیا تھا۔ اس کے مالک شاہ فہد کے سالے شیخ ولید الابراہیم ہیں۔

اور دوسرے خلیجی ممالک سے اتنے زیادہ اشتہارات مل جاتے ہیں کہ انھیں نظر انداز کرنا مشکل ہے کیونکہ اس سے اخبارات کی مالی حالت بہتر ہوتی ہے جس سے فطرتاً ان کے معیار میں اضافہ ہوا ہے۔

الشرق الاوسط، جس کے مالک بھی ایک سعودی ہیں، دوسرا بڑا اخبار ہے جو لندن سے شائع ہوتا ہے۔ اس کی پالیسی بھی تقریباً وہی ہے جو الحیاۃ کی ہے۔ لیکن القدس، جس پر فلسطینیوں کا قبضہ ہے، ایک آزاد اخبار ہے اور اکثر سعودی عرب کی پالیسیوں کی تنقید بھی کرتا ہے۔ پڑھے لکھے عربوں میں القدس کافی معتبر تصور کیا جاتا ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

ان کا ڈنکا سارے عالم میں بجتا ہے آسمان ان کے ایمان کی گواہی دیتا ہے

مومنین کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جاہلوں کے ساتھ جاہل اور بیوقوفوں کے ساتھ بیوقوف نہیں بن جاتے

اللہ تعالی نے اپنی کتاب قرآن کریم میں مومنین کے جن اوصاف کا ذکر فرمایا ہے ان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مومن ایسے لوگ ہیں جو جاہلوں کے ساتھ جاہل نہیں بن جاتے۔ بیوقوفوں کے ساتھ بیوقوف نہیں بن جاتے۔ واہیات باتیں کرنے کی عادت نہیں ڈالتے۔ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کا ڈنکا سارے عالم میں بجتا ہے، آسمان ان کے ایمان و عبودیت کی گواہی دیتا ہے۔

اللہ نے اپنے بندوں کی بہت سی صفات کا ذکر کیا ہے اور ہمیں اپنے اندر ان صفات کو پیدا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ لہذا ارشاد باری ہے "الصابرین و الصادقین والقانتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار"۔ ان صفات کے حامل لوگوں کو اللہ نے عبادالرحمان کا لقب عطا کیا ہے۔ یہاں غور طلب پہلو یہ ہے کہ یہاں خالق کائنات نے عبید کا لفظ نہیں استعمال کیا۔ سارے انسان اللہ کے بندے اور غلام ہیں لیکن ضروری نہیں کہ جو غلام ہو وہ عبودیت کا حق بھی ادا کرے اور عبادت پر آمادہ ہو۔ اس طرح مومن ہوں یا کفار سب اللہ کے غلام ہیں جب کہ صرف مومنین ایسے ہیں جنہیں لفظ عباد سے متصف کیا گیا ہے یعنی کہ وہ عبودیت کا حق ادا کرکے اپنی قدر و منزلت اللہ کی نظروں میں بڑھاتے ہیں۔ عبودیت وہ مقام عظیم ہے جہاں اللہ کی رحمت بندے پر چاروں طرف سے اپنا سایہ کئے رہتی ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جب اللہ کی بنائی ہوئی زمین پر چلتے ہیں تو ان کی چال سے کسی طرح کا غرور و تکبر اور فخر و تمکنت مترشح نہیں ہوتا بلکہ ان کی باتوں کے بجائے یک گونہ سکون، وقار اور اعتدال جھلکتا ہے۔ وہ اپنی خامیوں اور خوبیوں، اپنی امارت اور غربت کا اندازہ لگانے میں کبھی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیتے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کے اس فرمان سے ہدایت حاصل کرتے ہیں کہ ولا تمش فی الارض مرحا انک لن تخرق الارض و لن تبلغ الجبال طولا (زمین پر چوڑے ہوکر اور اچک اچک کر مت چلو تم کبھی زمین کو پھاڑ نہیں سکتے اور نہ ہی اتنے لمبے ہوسکتے ہو کہ پہاڑ کو چھولو)۔ جب جاہل لوگ ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کرتے ہیں اور جہالت کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں جیسا کہ ایک نبی کا واقعہ ہے کہ ان کی قوم نے انہیں مار مار کر لہو لہان کردیا پھر بھی اس کا جواب اس دعاء سے دیا کہ اے اللہ میری قوم کی مغفرت فرما بے شک یہ لوگ نہیں جانتے۔ ایسے بندوں کی یہ حالت رہتی ہے کہ دن میں تو وہ زمین پر انکساری کے ساتھ چلتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں اور جہالت اور جاہل لوگوں سے گریز کرتے ہیں وہ اپنی راتیں اللہ کے حضور میں رکوع و سجود کی حالت میں گزارتے ہیں اور راتوں کا یہی قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مومن کے لئے شرف عظیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ لوگ غافلوں کی طرح پوری رات نیند کے مزے نہیں لوٹتے بلکہ مصروف عبادت رہ کر اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ عذاب جہنم سے امان کی دعا مانگا کرتے ہیں کیونکہ جہنم خراب ترین مقام و ٹھکانہ ہے۔ اللہ اور رسول کے فرمان پر ان کا یقین کامل و پختہ ہوتا ہے۔ اللہ کے عذاب کے خوف سے ان پر رقت طاری رہتی ہے اور انہیں یہ فکر ستاتی رہتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یوم حساب ان کے اعمال قبول نہ کئے جائیں تو وہ جہنم کا حصہ بنادئے جائیں گے تو انہیں اللہ کے سواء جائے پناہ اور کہاں ملے گی۔

واضح رہے کہ دوزخ کریہہ المنظر تو ہے ہی اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ اس میں کسی بھی آرام و راحت کا تصور نہیں کیا جاسکتا اس کا ثبوت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد عذاب جہنم اور عذاب قبر دونوں سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔

اللہ کے نیک بندے اپنی عام زندگی کی ضروریات کی تکمیل میں نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ بخل برتتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور انہیں معاملات پر خرچ کرتے ہیں جو واجب و مستحب ہوں۔ وہ اس ہدایت کو ہمیشہ ذہن نشیں رکھتے ہیں کہ وکلو واشربو ولا تسرفو انہ لا یحب المسرفین۔ اسراف سے اجتناب کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالی ہر شخص سے سوال کرے گا کہ دنیا میں جو بھی مال و دولت اسے حاصل تھا اور جس سے اس نے اپنے لئے آسائشیں مہیا کیں وہ اس نے کہاں سے کمایا تھا اور اسے کن مقاصد میں خرچ کیا۔ پس اللہ کی رضا کے طالب اپنے مال کو بے فائدہ کاموں میں خرچ نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ اقتصاد کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اس میں اتنی کٹوتی بھی نہیں کرتے کہ بخل کی حدوں کو چھولیں اور حقدار کو اس کے حق سے محروم کردیں کیونکہ یہ بات اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بخل کو سب سے برا مرض قرار دیا ہے۔

ان تعلیمات کی روشنی میں دیکھا جائے تو اللہ کے عبادت گزار بندوں پر مشتمل امت ہر اعتبار سے اسراف و بخل کے درمیان اعتدال و توازن کا نمونہ بن کر سامنے آتی ہے۔ جو دو متضاد صفات ہیں کیو اگر ان میں کسی ایک کا بھی انسان پر غلبہ ہوجائے تو انسانی زندگی میں ہر سطح پر خلل واقع ہوتا ہے۔

ان تعلیمات کی روشنی میں دیکھا جائے تو اللہ کے عبادت گزار بندوں پر مشتمل امت ہر اعتبار سے اسراف و بخل کے درمیان اعتدال و توازن کا نمونہ بن کر سامنے آتی ہے۔

سارے انسان اللہ کے بندے اور غلام ہیں لیکن ضروری نہیں کہ جو غلام ہو وہ عبودیت کا حق بھی ادا کرے اور عبادت پر آمادہ ہو۔ سب اللہ کے غلام ہیں جب کہ صرف مومنین ایسے ہیں جنہیں لفظ عباد سے متصف کیا گیا ہے یعنی کہ وہ عبودیت کا حق ادا کرکے اپنی قدر و منزلت اللہ کی نظروں میں بڑھاتے ہیں۔

...... گویا اس طرح وہ اپنے نیک اعمال پر پانی پھیرتا ہے

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جوابات

سوال :۔ بعض مسلمانوں خصوصا مراقش میں یہ عجیب و غریب رسم دیکھی گئی ہے کہ ماں اپنی بیٹی کی گردن کے اوپر کسی نوکدار چیز سے تین متوازی لکیریں بنا دیتی ہے ان خراشوں پر نمودار ہوجانے والے کو شکر سے مس کرکے لڑکی کو کھلادیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس سے بعض کلمات ادا کروائے جاتے ہیں۔ اس طرح ماں کے خیال کے مطابق اپنی بیٹی کی عصمت کی حفاظت کرتی ہے اور اسے کوئی ضرر نہیں پہنچنے پاتا۔ اس عمل کے دیگر طریقے بھی ہیں۔ اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔ یہ عمل منکرات میں سے ہے اور صریحا ایسی خرافات ہے جس کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ ایسا کرنا کسی طرح جائز نہیں بلکہ اسے چھوڑنا اور پرہیز کرنا چاہئے۔ مذکورہ ماں کا یہ خیال کہ وہ اس عمل سے اپنی بیٹی کی عصمت کی پاسداری کرتی ہے قطعا باطل ہے جس کا کوئی شرعی جواز نہیں۔ لہذا ایسا کرنے والے کو یہی مشورہ دیا جاسکتا ہے کہ وہ اس سے باز آئے۔ اہل علم حضرات کو بھی چاہئے کہ وہ ایسی بے بنیاد رسوم سے لوگوں کو منع کریں کیوں کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو لوگوں تک پہنچانے کی سب سے زیادہ ذمہ داری انہی کی ہے۔

سوال:۔ کیا مرد کے لئے پیٹھ سے لے کر بشمول شرمگاہ پنڈلیوں تک کے بال صاف کرنا جائز ہے اس طرح کہ عورتوں یا دیگر اہل کتاب وغیرہ سے تشبہ کی نیت نہ ہو؟

جواب:۔ جسم کے بالوں کی صفائی جائز ہے اگر اس کا مقصد جیسا کہ ذکر کیا گیا عورتوں یا کفار سے تشبہ نہیں ہے۔ یہاں اصل بات اباحیت کی ہے۔ مسلمان پر کوئی چیز بغیر ٹھوس ثبوت کے حرام قرار نہیں دی جاسکتی اور ایسا کوئی ثبوت ہے نہیں جس سے مذکورہ معاملے کا حرام ہونا ظاہر ہو۔ قرآن و سنت کی اس معاملے میں خاموشی اس کی اباحیت کی دلیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفائی کے ضمن میں جن باتوں کا ذکر فرمایا ان میں مونچھوں کو ترشوانا، ناخن کتروانا، بغل کے اور شرمگاہ کے بال کی صفائی، مرد کے لئے سر کے بال مونڈنا، داڑھی رکھنا وغیرہ شامل ہیں۔

سوال:۔ کوئی شخص مسجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو اور اسے احتلام ہوجائے تو کیا حکم ہے اور کیا الگ الگ مساجد میں اعتکاف میں بیٹھنے والے لوگ ایک دوسرے سے مل جل سکتے ہیں یا کہیں اور وہاں سے جاسکتے ہیں؟

جواب:۔ اگر کسی شخص کو مسجد میں اعتکاف کی حالت میں احتلام ہوجائے تو اس کے اعتکاف کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا ہاں اس پر مسجد سے نکل کر جنابت سے پاکی حاصل کرنے کی غرض سے غسل واجب ہوگا۔ احتلام کا ہونا یا نہ ہونا چونکہ اس کے اختیار میں نہیں ہے اس لئے اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں تک مساجد کے معتکفین کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جاکر آپس میں ملنے کا تعلق ہے تو اگر ان کے ملنے کا مقصد دینی معاملات میں رائے مشورہ کرنا ہے جس سے کہ لوگوں کو برائی سے روکا جاسکے اور بھلائی کی طرف راغب کیا جاسکے اور قرآن فہمی کو عام کرنے کی سبیل پیدا کی جاسکے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر وہ اعتکاف کی حالت میں اپنے عزیز و اقارب کے یہاں جاتا ہے اور دنیاداری کی باتوں میں ان کے ساتھ وقت گزارتا ہے تو اس طرح وہ اپنے نیک اعمال پر گویا پانی پھیرتا ہے۔

سوال:۔ کیا ایام یا جنابت کی حالت میں دینی کتابوں مثلا حدیث و تفسیر کا مطالعہ جائز ہے؟

جواب:۔ جنابت یا ایام کی حالت میں تفسیر، فقہ، ادب، ایمانیات، فقہ اور ادب موضوعات پر کتابوں کا مطالعہ جائز ہے۔ ہاں ان حالتوں میں قرآن کریم نہ تلاوت کے طور پر نہ دعاء کے طور پر اور نہ ہی کسی معاملے میں استدلال کے طور پر پڑھا جاسکتا ہے۔

سوال:۔ اگر کوئی شخص ایسے علوم کے حصول میں اپنی مصروفیت یا اپنے کام وغیرہ کے باعث جس کا شرعی علم سے کوئی تعلق نہیں۔ قاصر رہنے کے لئے عذر پیش کرتا ہے تو کیا اس کا یہ عذر قابل قبول ہے؟

جواب:۔ دین کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے جبکہ علم حاصل کرنا فرض عین ہے۔ یہ ایسا ہی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

سوال:۔ اگر کسی نے دو عورتوں سے شادی کی اور دونوں سے اولاد ہوئیں اور ایک مدت کے بعد ان کے عزیزوں کی شہادتوں سے یہ منکشف ہوا کہ دونوں بیویاں رضاعی بہنیں ہیں۔ ایسی

صورت میں شخص مذکور کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب:۔ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ دونوں بیویاں آپس میں رضاعی بہنیں ہیں تو جس عورت سے بعد میں شادی ہوئی اس سے نکاح باطل قرار پائے گا اور ضروری ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔ کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ طلاق یا فسخ کے ذریعے اسے چھوڑ دیا جائے بلکہ دوسری عورت سے نکاح کا بطلان اور اس کا فساد خود بخود ظاہر ہوگیا۔ اور جو اولاد اس دوران دوسری عورت سے ہوں گی وہ شرعا اس کی اولاد ہیں۔

چمکدار اشیائے خوردنی کتنی مفید کتنی نقصاندہ

غذائی اشیاء پر ضیاء پاشی کینسر جیسے امراض کو جنم دے سکتی ہے

غذائی اشیاء کے تحفظ میں مستعمل جراثیم کش کیمیائی مادوں کے مہلک ذرات کے باقی رہ جانے جیسے ممکنہ خطرات کے پیش نظر ملک کے معروف ڈپارٹمنٹل اسٹوروں نے حد درجہ دروں رس گاما شعاعوں سے کام لینے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ خصوصاً مسالوں کو جراثیم سے پاک صاف رکھا جائے اور حفظان صحت کے اصولوں کو پوری طرح برتا جاسکے۔ حکومت ہند نے حال ہی میں مسالوں اور سبزیوں جیسے آلو اور پیاز پر ضیاء پاشی کی یعنی چمکدار بنانے کی اجازت دے دی ہے اور امید ہے کہ آئندہ گیہوں، چاول اور دال کو بھی ضیاباری کے عمل سے گزارا جاسکے گا۔ اس سلسلے میں مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ اگر حکومت اپنے منصوبہ میں کامیاب ہوگئی تو بہت ہی ضروری اشیاء جراثیم کے اثرات سے گاما شعاعوں کے ذریعے خراب ہونے سے بچائی جاسکیں گی۔ دوسرا طبقہ اس خیال کا حامی ہے کہ ضیاء پاشی عوام کی صحت کے حق میں مہلک ثابت ہوگی۔

اس معاملے کا مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ بہت سے یوروپی ممالک اور کئی امریکی ریاستوں میں یا تو ضیاء پاش شدہ غذاؤں کی فروخت بند ہے یا ان پر سخت پابندی ہے۔ بعض ممالک صرف برآمدات کے مقصد سے اس کی اجازت دے دیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اس عمل کو محض مسالوں تک محدود رکھنے کے قائل ہیں جو ہندوستان کے مقابلے میں بیرون ممالک میں بہت ہی کم تعداد میں استعمال ہوتے ہیں۔

ضیاء پاشی کے تئیں سرکاری رجحان کو بھانپ کر مرکز بیداری، صحت اور دیگر غیر سرکاری تنظیموں نے غذائی تابناکی کے بارے میں لوگوں کو معلومات فراہم کرنے کی مہم چلائی ہے۔ سنٹر سے وابستہ ماہر غذائیات اور ڈاکٹر وجے ونکٹ اور سائنس کے تجربہ کار معلم اور انرجی اسپیشلسٹ ڈاکٹر اشوک کمار کے مطابق یہ تصور اپنی جگہ پر کوئی معنی نہیں رکھتا کہ انتہائی طاقتور گاما شعاعیں غذا میں موجود صرف نقصان دہ جراثیم کو ہی ہلاک کریں گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جراثیم کے ساتھ بہت سے وٹامن اور انزائم پوری طرح تباہ ہوجاتے ہیں۔

ضیاء پاشی کی عالمی صورت حال پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ سب سے پہلے سویڈن میں اسٹرابریز پر تقریباً اسی سال قبل ضیاء پاشی کا عمل کیا گیا اور آج اس ملک میں غذائی اشیاء کی ضیاء پاشی مکمل طور پر بند ہے۔ 1957ء میں جرمنی نے تجارتی سطح پر مسالوں کی ضیاء پاشی کا طریقہ اختیار کیا لیکن اس کی مضرتوں کا انکشاف ہونے پر ایک ہی سال میں اس سے دست کش ہوجانا پڑا۔ غذائی ضیاء پاشی سوئزرلینڈ، آسٹریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ملیشیا میں بھی ممنوع ہے۔ امریکی جریدے "سیف فوڈ نیوز" کے مطابق یوروپ کے 36 میں سے صرف 11 ممالک ایسے ہیں جہاں غذائی تحفظ کا یہ طریقہ رائج ہے۔

بیشتر سائنسدانوں کا خیال ہے کہ دس ملین وولٹ سے کم کی ہلکی خوراکوں کی ضیاء پاشی غذائی اشیاء میں نقصان دہ حد تک تابکاری کا باعث نہیں بنے گی۔ تاہم ایک حلقہ ان سائنسدانوں سے متفق نہیں ہے اور یہ دعوی کرتا ہے کہ ہلکی مقدار کی ضیاء پاشی بھی غذاؤں کی کیمیائی ہیئت کو تبدیل کردے گی۔ خود مختار مشاورتی ادارے لندن فوڈ کمیشن نے اپنی ایک رپورٹ میں واضح کیا ہے کہ غذا کو گاما شعاعوں سے گزارنے کے نتیجے میں ان میں واقع ہونے والی تبدیلیاں ریڈیولائٹ کے نام سے معروف مضر کیمیائی مادے ان میں پیدا کرتی ہیں۔ اور مشکل یہ ہے کہ ان مادوں کی شناخت نہیں کی جاسکتی۔

ایک اور تشویش ناک پہلو اس طریقہ کار کا یہ ہے کہ ملاوٹ شدہ یا اندر سے خراب ہوجانے والی اشیاء خوردنی بھی محض اوپر سے تروتازہ نظر آئیں گی۔ انہیں خراب کرنے والے جراثیم تو ضیاء پاشی کے اثر سے ختم ہوسکتے ہیں لیکن تغذیہ کی جگہ لے لینے والے ٹوکسنس کا خاتمہ ممکن نہیں۔ مزید یہ کہ ایسا کوئی معتبر پیمانہ اب تک نہیں بن پایا جس کی مدد سے یہ یقین کیا جاسکے کہ کس آئیٹم کی ضیاء پاشی ہوچکی ہے اور کس کی نہیں۔

> یہ تصور اپنی جگہ پر کوئی معنی نہیں رکھتا کہ انتہائی طاقتور گاما شعاعیں غذا میں موجود صرف نقصان دہ جراثیم کو ہی ہلاک کریں گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جراثیم کے ساتھ بہت سے وٹامن اور انزائم پوری طرح تباہ ہوجاتے ہیں۔

ہندوستانی سائنسداں اور فوڈ پروسیسنگ انڈسٹری سے متعلق اہم افراد بھی ضیاء پاشی کے حق میں نہیں ہیں۔ ڈپارٹمنٹ آف نیوکلیئر انرجی سے وابستہ رہ چکے ڈاکٹر ونیتن پریرا نے جو اب بمبئی کے سنٹر فار ہولسٹک اسٹڈیز کے سربراہ ہیں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ضیاء پاشی ہمارے ملک میں تغذیاتی زوال آمادگی میں کچھ اور اضافہ کردے گی۔ اب تک ضیاء پاشی کے مضر اثرات کے گہرائی سے جو مطالعے کئے گئے ہیں ان سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ غذائی اشیاء پر ضیاء پاشی ان میں منفی جینیاتی خصوصیات پیدا کرتی ہے اور ان میں ایسے حد درجہ مہلک مادے پیدا ہوجاتے ہیں جو کینسر جیسے امراض کو بھی جنم دیتے ہیں۔

امریکن جرنل آف کلینیکل نیوٹریشن میں شائع نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف نیوٹریشن کی ایک رپورٹ شاہد ہے کہ سوء تغذیہ کے شکار پانچ بچوں کو ضیاء پاش شدہ گیہوں سے تیار کردہ کھانا مخصوص عرصے تک کھلایا گیا تو ان میں چار بچے ایسے تھے جن کے خلیوں میں غیر معمولی رفتار سے کروموزوم کی تشکیل ہونے لگی اور یہ علامت عموماً کینسر کی طرف لے جاتی ہے جب کہ ضیاء پاشی کی مقدار حکومت ہند کی منظور شدہ ایک ملین "ریڈ" سے کم تھی۔ جب ان بچوں کو یہ غذا دینے کا عمل بند کردیا گیا تو ان کے اندر ناقص خلیے بننے کا عمل بتدریج رک گیا۔ ضیاء پاش شدہ گیہوں کھانے کے خطرات کی تصدیق چوہوں اور بندروں پر ہونے والے تجربات سے بھی کی گئی ہے۔ تاہم چین میں اس میدان میں جو تجربات ہوئے ہیں ان سے منفی جینیاتی اثرات کی تصدیق نہیں ہوتی اور اسی لئے محققین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سوء تغذیہ کے متاثر افراد کو ضیاء پاش شدہ غذاؤں سے نقصان پہنچ سکتا ہے اور خصوصاً نوجوان اس کی زد میں آسکتے ہیں کیونکہ ان کے جسم میں ڈی این اے کی درستگی کی صلاحیت کامل نہیں ہو پاتی ہے۔

> ایک اور تشویش ناک پہلو اس طریقہ کار کا یہ ہے کہ ملاوٹ شدہ یا اندر سے خراب ہوجانے والی اشیاء خوردنی بھی محض اوپر سے تروتازہ نظر آئیں گی۔ مزید یہ کہ ایسا کوئی معتبر پیمانہ اب تک نہیں بن پایا جس کی مدد سے یہ یقین کیا جاسکے کہ کس آئیٹم کی ضیاء پاشی ہوچکی ہے اور کس کی نہیں۔

چکنائی دار کھانے صحت کے لئے مضر ہوسکتے ہیں

ہانگ کانگ کی یونیورسٹی اور اسی ملک کی تنظیم برائے انسداد سرطان کے محققین کا خیال ہے کہ انہوں نے وہاں پر غیر تمباکو نوش خواتین میں پھیپھڑے کے سرطان کے مرض میں مبتلا ہونے کی بڑھتی ہوئی شرح کا سبب دریافت کرلیا ہے۔ انہوں نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ اس مسئلے کا جواب ایسی غذاؤں میں تلاش کیا جاسکتا ہے جو چینی گھرانوں میں عام طور پر پکتے ہیں اور وہی انہیں حد درجہ مرغوب ہیں۔ ان غذاؤں میں جیسا کہ محققین نے دریافت کیا ہے گوشت کی ایسی اقسام شامل ہیں جن کے اندر سے نکلنے والے مادے خون کے راستے پھیپھڑے میں جاکر جمع ہوجاتے ہیں اور مرض پیدا کرتے ہیں۔

مذکورہ دونوں اداروں کے طبی ماہرین پر مشتمل ایک جماعت نے چودہ سال کے مسلسل تحقیق و مطالعے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ چین میں پھیپھڑے کے کینسر سے متاثر خواتین کی شرح برطانیہ کی اسی قبیل کی خواتین کی شرح سے پچاس فیصد زیادہ کیوں ہے۔ اس بات کی تصدیق ہفتہ وار سنڈے ٹائمز میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں بھی ہوئی ہے۔

جن عورتوں پر اس سلسلے میں تجربے کئے گئے ان میں سے ایک تہائی تعداد ایسی تھی جنہوں نے زندگی میں کبھی تمباکو نوشی نہیں کی اور اگر کی بھی تو برائے نام۔ پھر بھی ان میں سرطان کی علامتیں پوری طرح سے اس بناء پر موجود پائی گئیں کہ ان میں سے اکثر چکنائی دار کھانوں میں رغبت رکھتی ہیں کیونکہ وہ ان کے نزدیک ترقی یافتہ اور اعلی کھاتے پیتے خاندان سے تعلق کی علامت ہے اور سماجی حیثیت کا پیمانہ ہے۔

> ان میں سرطان کی علامتیں پوری طرح سے اس بناء پر موجود پائی گئیں کہ ان میں سے اکثر چکنائی دار کھانوں میں رغبت رکھتی ہیں کیونکہ وہ ان کے نزدیک ترقی یافتہ اور اعلی کھاتے پیتے خاندان سے تعلق کی علامت ہے اور سماجی حیثیت کا پیمانہ ہے۔

طبی ماہرین نے ایسی غذاؤں کے استعمال سے خبردار کرتے ہوئے لوگوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ چینی کھانوں سے اول تو پرہیز کریں اور اگر اس کی خواہش پر قابو نہ رکھ سکیں تو کم از کم اتنا کرلیں کہ اس کے مضر اثرات کے تدارک کے ساتھ ساتھ تازی سبزیاں اور پھل ضرور کھائیں کیونکہ عام طور پر اس کھانے میں پروسس کی ہوئی بطخ کا گوشت شامل ہوتا ہے جو بذات خود پچاس فیصد مرض کے لئے ذمہ دار ہے۔ ہانگ کانگ میں گذشتہ تین دہائیوں کے دوران پھیپھڑے کے کینسر میں مبتلا افراد کی تعداد میں تین گنا اضافہ ہوچکا ہے۔

چونکہ چین میں پھیپھڑے کے کینسر سے متاثر ہونے کی موروثی علامات نہیں ملتیں اس لئے تجربے کے لئے خواتین کا انتخاب کیا گیا تھا۔ اور مردوں کے مقابلے میں تمباکو نوشی کی عادت عورتوں میں خاص کم ہوتی ہے اس لئے ان پر اس تجربے کی کامیابی کا زیادہ امکان بھی تھا۔ اس مطالعے سے قبل ماہرین کا عام تاثر یہ تھا کہ چینی عورتوں میں پھیپھڑے کے کینسر کی وجہ یہ ہے کہ وہ کئی کئی گھنٹے باورچی خانے میں کام کرتی ہیں اور اس دوران اس میں سے اٹھنے والے انجرات ان کے نظام تنفس پر مضر اثر ڈالتے ہیں یا ایک اور وجہ یہ سمجھ میں آتی تھی کہ مذہبی امور اور سماجی رسوم میں ان کے یہاں عود، لوبان وغیرہ سلگانے کا رواج بہت زیادہ ہے۔ لیکن نئی تحقیقات نے تمام تصورات کو باطل کردیا ہے۔ پروسسڈ غذاؤں میں پیدا ہوجانے والے زہریلے مادوں میں مغرب میں پھیپھڑے اور گلے کے کینسر کے اسباب سے منسوب کیا جاتا رہا ہے اور جاپان میں اسے بڑی حد تک معدے کے کینسر کا سبب سمجھا جاتا۔ جاپان ایسا ملک ہے جہاں پوری دنیا میں معدے کے کینسر کے سب سے زیادہ واقعات رونما ہوتے ہیں کیونکہ وہاں کے باشندے سرکہ ملی ہوئی غذاؤں اور نمک لگی مچھلی کے بہت شوقین ہیں

> جاپان ایسا ملک ہے جہاں پوری دنیا میں معدے کے کینسر کے سب سے زیادہ واقعات رونما ہوتے ہیں کیوں کہ وہاں کے باشندے سرکہ ملی ہوئی غذاؤں اور نمک لگی مچھلی کے بہت شوقین ہیں

ایک فلسطینی جاں باز اور ایک اسرائیلی جاسوس کی مشترکہ کتاب

ایک جاسوس کی "سرد دماغی" اور ایک گوریلا کے جوش و خروش کا نادر نمونہ

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہوگا۔ (ادارہ)

زیر تبصرہ دونوں کتابیں پی ایل او اور اسرائیل کے مابین ہونے والے اوسلو معاہدے کے بعد لکھی گئی ہیں۔ ان کتابوں کے مصنف کسی نہ کسی حیثیت میں فلسطینی تحریک اور سلسلہ امن سے متعلق رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بہت سی ایسی باتیں تحریر کی ہیں جو ایک عام قاری کو معلوم نہیں ہیں۔

پہلی کتاب حنان اشراوی کی ہے جو اوسلو معاہدے سے قبل فلسطینی و اسرائیلی نمائندوں کے درمیان مذاکرات کے وقت فلسطینی وفد کی ترجمان تھیں۔ اپنی صاف ستھری انگریزی، نرم گفتاری اور دلائل سے انہوں نے ایک دنیا کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ اس وقت جو بات نہ تو انہیں اور نہ کسی اور عام انسان کو معلوم تھی وہ یہ کہ پی ایل او اور اسرائیل اوسلو میں خفیہ مذاکرات کر رہے تھے۔ بظاہر یہ خفیہ مذاکرات حنان اشراوی کے لئے تکلیف دہ اور بے عزتی کا باعث ہونے چاہئے تھے مگر انہوں نے ایسے کسی احساس کا اظہار کرنے کے بجائے انہیں باوقار انداز میں قبول کیا اور واشنگٹن میں وہائٹ ہاؤس کے لان پر معاہدے پر دستخط کرنے کی تقریب میں شریک بھی ہوئیں۔ کتاب میں اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے اشراوی نے کسی قسم کی تلخی کا اظہار نہیں کیا ہے بلکہ یہ کہہ کر حمایت کی ہے کہ اوسلو معاہدے یا مذاکرات کے لئے راستہ ہموار کرنے والوں میں خود ان کا بھی ہاتھ تھا۔ کیونکہ بہت پہلے انہوں نے حیفہ کے ایک اسرائیلی پروفیسر کو رملہ میں اپنے گھر پر بلا کر پی ایل او کے ایک اہم لیڈر سے اس کی خفیہ ملاقات کروائی تھی۔

بلاشبہ اشراوی ایک پیدائشی خطیب و ادیب ہیں۔ لیکن اگر ان سے یہ کہا جائے کہ وہ رابطہ عامہ کے لئے ایک مناسب شخص ہیں اور اس ضمن میں انہوں نے فلسطینیوں کی بڑی خدمت کی ہے تو وہ جھلاہٹ کا اظہار کرتی ہیں۔ اس کے برعکس ان کا اصرار ہے کہ وہ ایک پالیسی ساز اور مجاہدہ ہیں اور تقریباً 17 سال تک اسرائیلی افسروں سے نبرد آزما رہیں۔ خاص طور سے اس وقت جب وہ بیرزیت یونیورسٹی پر دھاوا بولتے۔ واضح رہے کہ مذکورہ یونیورسٹی میں اشراوی پروفیسر اور ڈین ہیں۔

دونوں مصنفوں نے اپنے اپنے حالات زندگی اس نقطہ نظر سے تحریر کئے ہیں کہ امن ہی ان حضرات کی متعلقہ قوموں کے حق میں ہے۔ اوزی کے طرز تحریر سے ایک تربیت یافتہ سیکرٹ ایجنٹ کی "سرد دماغی" ٹپکتی ہے جبکہ بسام کی تحریروں میں ایک گوریلے کا جوش و خروش نظر آتا ہے۔

کتاب کا زیادہ تر حصہ اشراوی کی سفارتی مہمات سے بحث کرتا ہے۔ ان میں سے کچھ فلسطینی شریک کاروں کے ساتھ مگر زیادہ تر امریکیوں اور اسرائیل کے ساتھ وہ سفارتی تعلقات و مذاکرات ہیں جو 1991ء میں منعقد ہونے والی میڈرڈ امن کانفرنس کے درمیان یا اس سے پہلے زیر عمل آئے۔ اشراوی نے اوسلو معاہدے پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا جب ہر کوئی اشراوی پر اعتراض کرنے لگا تھا لیکن اس وقت یاسر عرفات نے ان کی یہ کہہ کر حمایت کی کہ "وہ ہمارے سروں کا تاج ہیں"۔ لیکن جب غازہ پٹی میں محدود اختیارات کی فلسطینی انتظامیہ قائم ہوئی تو اشراوی نے اس میں شرکت سے انکار کر دیا۔ لیکن خود کو مشغول رکھنے اور فلسطینیوں کی خدمت کے لئے انہوں نے حقوق انسانی سے متعلق ایک نئی تنظیم قائم کر لی۔

دوسری کتاب بسام ابو شریف، سابق گوریلا اور موجودہ مشیر یاسر عرفات اور موساد کے ایک سابق ایجنٹ اوزی مہ نعیمی نے مشترکہ طور پر لکھی ہے۔

یہ ایک اعتبار سے بڑی دلچسپ کتاب ہے۔ دونوں ہی کبھی انتہا پسند تھے۔ بسام اسرائیل کے جانی دشمن اور اوزی فلسطینیوں کو ختم کرنے کے درپہ تھے۔ بسام نے ایک بار بڑی کامیابی سے ایک اسرائیلی طیارے کا اغوا کر لیا تھا۔ وہ جارج حباش کی بائیں بازو کی تنظیم سے وابستہ تھے اور ان کا مقصد اسرائیل کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا تھا۔ وہ یروشلم کے ایک پانچ سو سالہ قدیم خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد ان کا خاندان منتشر ہو گیا اور انہوں نے آزادی فلسطین کی جنگ میں خود کو جھونک دیا۔ بسام نے نہ صرف گوریلا کارروائیوں میں حصہ لیتے بلکہ وہ فلسطینی کاز کے لئے

فکری و نظری محاذ پر بھی سرگرم رہتے۔ اسرائیلی انہیں کافی خطرناک تصور کرتے تھے۔ 1972ء میں موساد نے ان کے پاس ایک پارسل بم بھیجا جس سے ان کی ایک آنکھ اور کئی انگلیاں ضائع ہو گئیں اور چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا۔

دونوں مصنفوں نے اپنے حالات زندگی اس نقطہ نظر سے تحریر کئے ہیں کہ امن ہی ان حضرات کی متعلقہ قوموں کے حق میں ہے۔ اوزی کے طرز تحریر سے ایک تربیت یافتہ سیکرٹ ایجنٹ کی "سرد دماغی" ٹپکتی ہے جبکہ بسام کی تحریروں میں ایک گوریلے کا جوش و خروش نظر آتا ہے۔ کتاب کا زیادہ تر حصہ بسام نے تحریر کیا ہے اور خوب لکھا ہے۔ دونوں کی تحریروں کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کس طرح مخالف کیمپوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے مخالف تھے اور پھر کس طرح حالات نے انہیں ایک دوسرے کا دوست بنا دیا۔

اوزی کی تربیت اس طرح ہوتی تھی کہ وہ عربوں سے نفرت کرتا تھا۔ مگر 1982ء میں لبنان پر اسرائیل کے جارحانہ حملے اور اس میں معصوموں کے قتل عام نے اس کی کایا پلٹ دی۔ انہوں نے خود سے یہ سوال کیا کہ معصوموں کو قتل کرنے سے اسرائیل کو کیا فوجی فائدہ ملتا ہے؟ خود سے پوچھے گئے اس سوال نے انہیں اپنی زندگی کے بارے میں از سر نو غور کرنے پر مجبور کر دیا۔

اوزی کی طرح بسام نے بھی اپنی آپ بیتی قدرے تفصیل سے بیان کی ہے۔ انہوں نے 1960ء اور 1970ء کے اپنے کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے علاوہ یہ بھی بتایا ہے کہ کس طرح انہوں نے جارج حباش کو چھوڑ کر 1988ء میں عرفات سے

بقیہ : صفحہ ۱۳ پر

آپ کی الجھنیں

آپ اپنی بہن کو آہستہ آہستہ شدت پسندی کی راہ سے نرم خوئی کی طرف لائیں

اگر آپ کسی الجھن میں مبتلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ نہ لینے کی پوزیشن میں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ (ادارہ)

سوال :— میری ایک بہن ہیں جو بفضلہ تعالیٰ دین دار واقع ہوئی ہیں۔ لیکن معاملات زندگی میں شدت پسند ہیں۔ دوسروں کی غلطیوں پر وہ انگشت نمائی کرتی ہیں اور اعلانیہ اس پر تنقید کرتی ہیں اس دعوے کے ساتھ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہی صحیح طریقہ ہے۔ ہم نے انہیں نصیحت و فضیحت کے درمیان فرق کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ ہیں کہ کوئی بات سنتی ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ اگر کوئی ان پر اعلانیہ تنقید کرے تو ان کا پارہ بے حد چڑھ جاتا ہے اور یہ بھول جاتی ہیں کہ دوسروں کے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ خاصی مہذب ہیں تلاوت قرآن کا اہتمام کرتی ہیں دینی مجالس میں بھی شرکت کرتی ہیں۔ ان کی بس اسی معاملے میں خود پسندی نے میرے بہت سے عزیزوں کو ان سے متنفر کر دیا ہے یہاں تک کہ ان کی وجہ سے میں بھی اپنے حلقے سے کٹ کر رہ گیا ہوں۔ مجھے مشورہ دیں کہ اس معاملے میں میں کون سا طریقہ کار اختیار کروں؟

جواب :— حسن اخلاق ایسی اعلیٰ قدر ہے جس کے ذریعے بندہ مومن دنیا و آخرت دونوں میں بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ ایمان کے اعتبار سے بہترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ سب سے زیادہ لطف و کرم کا برتاؤ کرتا ہو۔

اصلاح کی غرض سے نصیحت کرنے کے معاملے میں اگر کوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس کو نیکی کی ہدایت فرماتے اس کے جذبات و احساس میں شریک ہو کر اس کے مونس و ہمدرد بن جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ اللہ تعالیٰ مونس و ہمدرد ہے اور ہمدردی کو پسند فرماتا ہے اور ہمدردی کے بدلے میں وہ لوگوں کو ایسی دولت عطا کرتا ہے جو شدت و درشتی کے بدلے میں نہیں عطا کرتا۔

اصلاح کی غرض سے نصیحت کرنے کے معاملے میں اگر کوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس کو نیکی کی ہدایت فرماتے اس کے جذبات و احساس میں شریک ہو کر اس کے مونس و ہمدرد بن جاتے تھے۔

اس مقام پر سائل کو یہی مشورہ دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی بہن کے معاملہ میں صبر و ضبط سے کام لیں ان کے ساتھ حسن معاملہ کا رویہ ترک نہ کریں اور ان کی طرف سے برتی جانے والی ہر شدت کو درگزر کر دیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خالق کائنات نے لوگوں کے درمیان اخلاق کو اسی طرح تقسیم کیا ہے جس طرح ان کے رزق تقسیم کئے ہیں۔ بے شک سب سے اچھا مونس و ہمدرد عزیزوں کے معاملے پر صبر کرنے والا اور ان کی غلطیوں اور خطاؤں کو خاموشی سے برداشت کرنے کی عادت ڈالنے والا ہے جس کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق اس فرمان الٰہی میں ملتی ہے کہ جس نے تقویٰ سے کام لیا اور صبر کیا تو اللہ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

جیسا کہ سائل نے اپنی بہن کی دینداری اور دینی مجالس میں شرکت اور تلاوت قرآن کریم کے اہتمام کی طرف اشارہ کیا ہے انہیں رفتہ رفتہ اس طرح بھی شدت پسندی کی راہ سے نرم خوئی کی طرف لایا جا سکتا ہے کہ انہیں ایسی کتابیں فراہم کی جائیں جن میں اسلام کی دعوت پھیلانے کے اسالیب سے بحث کی گئی ہو اور اللہ کی طرف بلانے والوں کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہو۔

Invitation Price Rs. 4/-
16 - 31 AUGUST 1995

The Milli Times International
(India's first International Urdu Weekly)
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-16036/95

حیرت انگیز انکشاف

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے قریب ، فلوریڈا ،کیوبا، ڈومینیکن ریپبلک ، پورٹوریکو اور جزیرہ برمودا کے درمیان عین سمندر میں ایک عجیب و غریب اور پراسرار جگہ واقع ہے جس کے بارے میں اب تک کوئی معلومات انسانی علم سے باہر رہی ہے البتہ جب سائنس نے ترقی کی اور انسان سمندر اور خشکی کے راستے مسخر کرتا چلا گیا تو اسے یہ جان کر انتہائی حیرت ہوئی کہ سمندر کا یہ علاقہ کچھ عجیب و غریب پراسرار سرگرمیوں سے عبارت ہے ۔ انسانی سائنس نے بہت کوشش کی کہ اس علاقے کے بارے میں مزید معلومات حاصل کی جائے لیکن جو بھی بحری جہاز ادھر گیا آنا فانا غرق ہوگیا۔ یہاں تک کہ جب جنگی طیاروں سے اس علاقے کا سروے کرنے کی کوشش کی گئی تو مضبوط سے مضبوط ترین طیارہ اس علاقے میں پہنچتے ہی گر پڑا اور آنا فانا سمندر کی لہروں نے اسے نگل لیا۔ 1850ء سے انسانی سائنس مسلسل اس علاقے کا پیچھا کرتی رہی ہے ۔ لیکن بے شمار تباہیوں کی وجہ سے اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ اب تک اس مہم سے کوئی واپس لوٹ کر نہ آسکا ، سائنس دانوں نے اس علاقے کا رخ ہی کرنا چھوڑ دیا۔ سائنس کی کتابوں اور انگریزی کی بڑی لغات میں اس علاقے کو مثلث برمودا یا برمودا ٹرینگل کا نام دیا گیا ہے۔ جس کے بارے میں ہماری لغات میں یہ لکھا ہے کہ ایک ایسا ا پراسرار علاقہ جہاں بے شمار بحری اور ہوائی جہاز تباہ ہوچکے ہیں اور جس کی پراسراریت سے اب تک پردہ نہیں اٹھ سکا ہے۔

لیکن ابھی حال ہی میں انسانی تاریخ کا ایک عجیب انکشاف رونما ہوا ہے۔ جس کی بنا پر یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ پراسرار علاقہ کوئی عام جگہ نہیں بلکہ ابلیس ملعون کا ہیڈکوارٹر ہے جہاں وہ حق کے خلاف مسلسل سرگرم عمل ہے ۔ ابلیس کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظریہ ہے کہ اسے اللہ تعالی نے قیامت تک کے لئے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے ۔ رہتی دنیا تک کے لئے گویا اس کا وجود مسلمانوں کے لئے خاص طور پر مسلسل باعث تشویش ہے ۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ابلیس کا تعلق جنوں کی قوم سے ہے اور اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے ۔ قرآن نہ صرف یہ کہ جنوں کے وجود کے بارے میں اثبات جواب دیتا ہے بلکہ قرآن میں ان اہل ایمان جنوں کا بھی ذکر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن کی آیات سن کر عش عش کر اٹھے تھے ۔ گویا مسلمانوں کے نقطہ نظر سے تو یہ بات مسلم ہے کہ ابلیس اپنی تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ کہیں موجود ہے بلکہ مسلسل اسلام کے غلبے کے خلاف اپنے پروگرام پر پوری یکسوئی سے عمل بھی کر رہا ہے۔

گذشتہ دنوں بعض پالیسی امور میں تکرار کے باعث ابلیس کے ہیڈکوارٹر میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے اس کی بنیادیں ہلا ڈالیں۔ ابلیس کے ایک قریبی رفیق نے صدیوں کی رفاقت کے بعد ہیڈکوارٹر سے اپنا تعلق توڑنے کا فیصلہ کیا اور اس طرح یہ باغی رفیق ہیڈکوارٹر سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ گوکہ اس نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا ہے لیکن اپنے سابق آقا ابلیس کی دشمنی میں اس کے خلاف بعض اہم حقائق منکشف کردیئے ہیں۔ اس سلسلے کا پہلا انٹرویو اس نے دمشق کے ایک محترم صحافی اور ملی ٹائمز کے عرب نمائندہ کو دیا ہے۔ اس طویل انٹرویو کو بھی ہم مناسب وقت میں شائع کریں گے لیکن اس سے پہلے آپ کو کتاب و سنت کی روشنی میں اس جغرافیائی خطے سے متعارف کرایا جائے گا ۔ تفصیلات اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔